

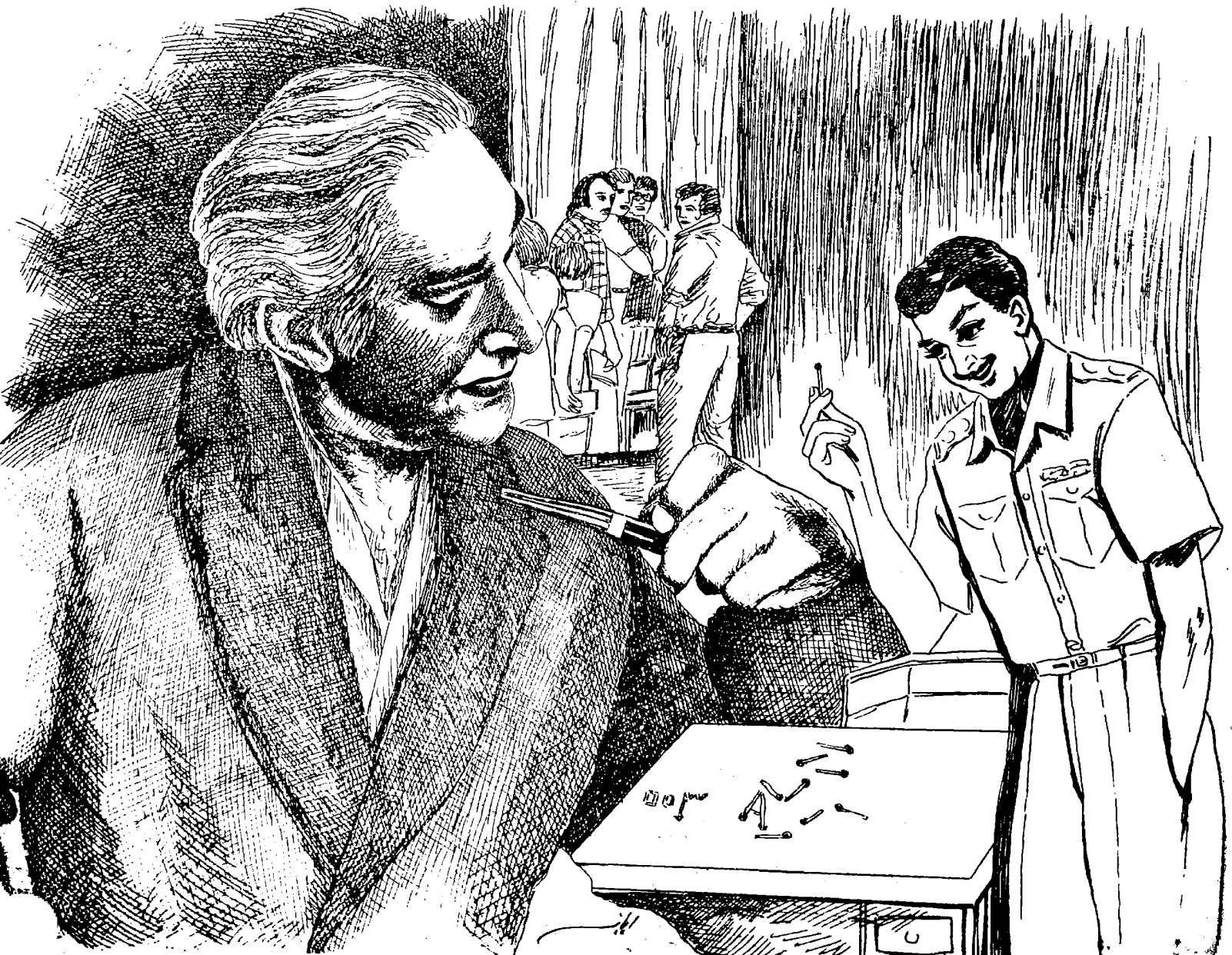


راحیلہ تاج

## 8 پائلوپی عور

ہیں مشتبہ عورت کی داستان دردستان حکایت جو قتل  
کے ایک مقدمے میں مطلوب تھی مگر جب تحقیق کا  
دامرہ وسیع ہوا تو یہ عقدہ کھلا کہ وہ بے گناہ ہے  
اور اسکی طرح دوسری کئی عورتیں بھی بے گناہ  
ثابت ہوئیں اصل ملزمہ کوئی اور تھی مگر وہاں  
اس کا وجود کوئی نہ تھا۔  
آخر یہ عورت کہاں چلی گئی ؟.....

مال و زر کی چمک چندیں بنیانی سے محروم ہونے والوں کا اجرا





میرے دوست ناظم نے میرے لئے اس ہوٹل میں ایک کمرہ بک کر رکھا ہوگا۔

”اوہ۔ آپ۔۔۔! جی ہاں آپ لئے ۴۸ نمبر کمرہ بک کیا گیا ہے اور وہ کمرہ ۲۴ نمبر کمرہ کے بالمقابل ہے اور نیچے یہ اس کی چابی ہے۔“ ریسپشن گرل نے مسکراتے ہوئے کہا ارشد نے چابی اس سے لے لی اور کم عمر قلی نے اس کا سامان ۴۸ نمبر کمرے میں پہنچا دیا۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد جب ارشد نے اپنا سامان کمرے میں ٹھیک طرح مناسب جگہ رکھ دیا اور کم عمر قلی کو اس کی مزدوری کے علاوہ ٹپ دے کر واپس بھیج دیا تو اس نے ناظم کے کمرے کی جانب دیکھا تو اس کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ جس سے اندازہ ہو گیا کہ وہ کہیں گیا ہوا ہے غالباً اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ ارشد نے اسے یہ اطلاع نہیں دی تھی کہ وہ بیلگام کب پہنچ رہا ہے وقت گزارنے کے لئے یکایک اسے خیال آیا کہ کالی پی جائے اس سے اس کی تھکان بھی ختم ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر وہ اپنے سوٹ کیس کی طرف بڑھا کہ خرچ کے لئے کچھ اور رقم اس میں سے نکال لے تب ہی دروازہ پر دستک ہوئی ارشد نے پلٹ کر دریافت کیا۔۔۔ ”کون۔۔۔؟“

”دروازہ کھولئے“ دروازے کے پیچھے سے ایک بھاری آواز آئی۔

ارشد نے دروازہ کھولا تو اس نے ایک بھاری بھر کم سارجنٹ کو دروازے پر دیکھا۔ وہ صاف ستھری وردی پہنے ہوئے تھا اس کے چہرے پر سلوٹیں تھیں چہرے کا رنگ سیاہی مائل تھا۔ دروازے پر پولیس سارجنٹ کو دیکھ کر وہ قدرے حیران رہ گیا۔

”آپ کا نام ارشد ہے؟“ پولیس سارجنٹ نے دروازے میں کھڑے کھڑے پوچھا۔

”جی ہاں آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟“ ارشد نے دریافت کیا۔

اپنا نام پولیس افسر کے منہ سے سن کر اس کی حیرانی اور بھی بڑھ گئی۔

”کیا آپ ناظم اس کی اہلیہ یا محبوبہ کو جانتے ہیں؟“ پولیس افسر نے پوچھا۔

ارشد چونک پڑا، ناظم تو ابھی تک غیر شادی شدہ تھا اس کی بیوی ہونے کا تو سوال ہی نہیں لیکن اس کی کوئی محبوبہ ہو سکتی ہے۔ شاید اسی سے ملنے کے لئے وہ اس کی کار مانگ کر یہاں آیا تھا۔

ارشد نے اپنے محکمہ سے درخواست کی تھی کہ اس کا تبادلہ فیض پور کر دیا جائے وہ اپنے افسر اعلیٰ کے حکم کا منتظر تھا۔ اس کا دوست ناظم جو اسی طرح کیمیکل انجینئر تھا ان دنوں دو ماہ کی رخصت پر نصرت آباد سے اس کے پاس آیا ہوا تھا اور وہ ارشد کی کار لے کر دس یوم کے لئے بیلگام جا رہا تھا۔

”ارشد دس دن سے زیادہ نہ لگانا پتا نہیں کب میرا ٹرانسفر آرڈر آجائے اور میں چاہتا ہوں کہ بذریعہ کار فیض پور جاؤں۔“

”میں وعدہ خلائی ہرگز نہیں کروں گا آپ مطمئن رہیں آج سے ٹھیک گیارہویں دن تمہارے پاس آجاؤں گا اگر اس درمیان آپ کا ٹرانسفر آرڈر آجائے تو آپ مجھے بذریعہ تار مطلع کر دیں میں تار ملتے ہی آجاؤں گا۔ بیلگام میں میرا قیام ”ٹیپو سلطان ہوٹل“ میں رہیگا۔“

ناظم نے اپنے دوست ارشد کو الوداع کرتے ہوئے کار اشارت کر دی ارشد خندہ پیشانی سے جاتی ہوئی کار کو اس وقت تک دیکھا رہا جب تک کار اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

”ارشد کے دوست ناظم کو بیلگام گئے ہوئے ابھی سات دن ہی بیتے تھے کہ ارشد کے فیض پور ٹرانسفر ہونے کا آرڈر ایک شرط کے ساتھ آ گیا کہ اسے تین ہفتہ تک بیلگام میں کیمیکل انجینئر اکرم کی جگہ کام کرنا ہوگا۔ اکرم کی واپسی پر وہ فیض پور پہنچ کر اپنا چارج لے سکتا ہے حکم نامہ میں آگے تحریر تھا وہ ہر حالت میں بیلگام پہنچ کر اکرم سے چار دن کے اندر چارج لے۔ ارشد نے ”ٹیپو سلطان ہوٹل“ کے پتا پر ناظم کو بذریعہ تار اطلاع دیدی کہ وہ بذات خود اس کے پاس آ رہا ہے اور وہ اس کے قیام کے لئے اسی ہوٹل میں ایک کمرہ بک کر ادرے۔

دو دن بعد ارشد ساڑھے آٹھ بجے شب بیلگام پہنچ گیا۔ اس نے ہوائی مستقر سے ٹیکسی لی اور سیدھا ٹیپو سلطان ہوٹل پہنچ گیا۔ ہوٹل کے باہر یونیفارم پہنے ہوئے ایک کم عمر قلی نے ارشد کا سامان ٹیکسی سے نکال کر ہوٹل کے ریسپشن روم میں پہنچا دیا ارشد ”ریسپشن گرل“ کی طرف بڑھا۔ وہ اچھے نقوش کی خوبصورت لڑکی تھی۔ ارشد کو اپنی جانب آمادہ دیکھ کر اس نے حسب روایت مسکراتے ہوئے کہا ”فرمائیے“ میں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔“

”میں ارشد ہوں۔ کیمیکل انجینئر۔ میرا خیال ہے کہ

”میں ناظم کو جانتا ہوں وہ میرا دوست ہے۔“ ارشد نے کہا۔ ”وہ ابھی تک کنوارہ ہے اس لئے اس کی بیوی ہونے کا سوال خارج از بحث ہے اور اس کی کوئی محبوبہ ہے یہ مجھے معلوم نہیں۔ آئیے۔ آئیے اندر آئیے۔“

”نہیں۔ نیچے انسپکٹر مسعود آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ پولیس سارجنٹ نے کہا۔

”کیوں؟“

”انسپکٹر صاحب چاہتے ہیں کہ آپ چل کر اپنے دوست ناظم اور اس کی محبوبہ کی شناخت کر لیں۔“

”کیوں؟ کیا ناظم کے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہے؟“

”ناظم مر چکا ہے اور اس کی محبوبہ بھی۔!“ پولیس سارجنٹ نے بڑی بے پروائی سے کہا۔

”وہ کیسے؟“

انسپکٹر مسعود آپ کو سب کچھ بتا دیں گے آئیے میرے ساتھ نیچے چلئے۔“ پولیس سارجنٹ نے مڑتے ہوئے کہا۔

”مجھے اتنا پتا ہے کہ آپ کے دوست ناظم اور اس کی محبوبہ کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔“

اتنا سنتے ہی ارشد جلدی سے کمرے کو مقفل کرنے کے بعد پولیس سارجنٹ کے ساتھ چل پڑا۔ چلتے چلتے ارشد نے پوچھا۔ ”ناظم کی لاش کہاں ہے؟“

”سائڈوے موٹل میں۔“ پولیس سارجنٹ نے بتایا۔

ٹیپو سلطان ہوٹل کے لان میں ایک پولیس کار کھڑی تھی جس میں بیٹھا ہوا انسپکٹر مسعود سگریٹ پیتا ہوا ان کا منتظر تھا اس کا قد چھوٹا تھا لیکن بدن گھٹیلّا تھا۔ سارجنٹ نے اپنے افسر اعلیٰ سے کہا۔ ”یہ مسٹر ارشد ہیں۔“

”انسپکٹر مسعود نے کار کے دروازے میں سے ہاتھ نکال کر ارشد کا ہاتھ قدرے زور سے دبا کر کہا۔ ”مسٹر ارشد، انسپکٹر مسعود“ پھر اس نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ ارشد اس کے برابر والی نشست پر آ بیٹھا اور سارجنٹ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر کار اشارت کردی۔ مین روڈ پر پہنچ کر کار کی رفتار تیز تر ہو گئی۔

انسپکٹر نے اپنی جیب سے ایک گلابی کاغذ نکال کر ارشد کو دکھاتے ہوئے پوچھا ”کیا یہ ٹیلیگرام آپ نے دیا تھا؟“

”جی ہاں۔“

ناظم کیا آپ کا دوست تھا؟“

”جی ہاں۔ ہم دونوں ایک ہی محکمہ میں ملازم تھے۔“

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد انسپکٹر پھر بولا۔

”آپ پہلے چل کر لاش دیکھ لیجئے پھر کچھ باتیں کریں گے۔“

کچھ دیر کے بعد وہ مین روڈ کے کنارے بنے ہوئے ”سائڈوے موٹل“ کے سامنے پہنچ گئے وہاں لوگوں کی بھیڑ تھی۔ تین چار پولیس کانسٹبل لوگوں کے اڈوہام کو موٹل سے دور رکھنے میں مشغول تھے۔ یہ پانچ چھ کمروں پر مشتمل چھوٹا سا موٹل تھا جس کے بنانے میں لکڑی کا استعمال زیادہ کیا گیا تھا۔ ایک طرف باورچی خانہ، قہوہ خانہ اور دوسری جانب ڈرائنگ ہال تھا۔ ڈرائنگ ہال میں چھوٹا سا اسٹیج تھا جس پر کبھی کبھی موسیقی اور رقص کے پروگرام ہوا کرتے تھے، باقی چار کمرے مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے تھے۔

رہائشی کمروں میں سے ایک کمرے میں مسہری کے نیچے فرش پر ناظم پڑا ہوا تھا وہ فرش پر اس طرح پڑا ہوا تھا جیسے وہ پلنگ پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ ارشد کو ایسا لگا جیسے وہ مرنے سے پہلے اٹھنے اور حملہ آور کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن زخم کو برداشت نہ کر پانے پر وہ گر پڑا اور دم توڑ دیا۔

ناظم کے مردہ جسم پر ٹائٹ سوٹ کے بجائے کے علاوہ اس وقت اور کچھ نہیں تھا اس کے داہنے کندھے کے اوپر گردن کے نیچے چار سرخ رنگ کے سوراخ تھے۔ ان سوراخوں کے ارد گرد کی کھال بری طرح ادھڑی ہوئی تھی۔ ان چاروں سوراخوں کا درمیانی فاصلہ یکساں تھا۔ اس کے مردہ سانولے چہرے پر ڈر اور خوف کے ملے جلے تاثرات نمایاں تھے۔

انسپکٹر مسعود نے کہا۔ ”کسی نے چھری کی بجائے کاٹنا استعمال کیا ہے۔ قاتل نے اپنی پوری طاقت سے کاٹنا مرحوم کی گردن میں مارا ہے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کانٹے کی چاروں نوکوں سے پیدا ہونے والے چاروں سوراخ گہرے ہیں کانٹے کی آہنی نوکیں دباؤ سے شہ رگ تک پہنچ گئیں اور اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد قاتل نے کانٹے کو جب باہر نکالنا چاہا تو گردن کی کھال بھی ادھڑ گئی۔ سوراخوں سے خون کی مقدار زیادہ نہیں نکلی یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ قاتل نے قتل کے لئے صرف کانٹے کا استعمال کیا ہے۔ قاتل بہت ہی طاقتور تھا اور پیشہ ور بھی معلوم ہوتا تھا۔“

”کیا وہ کانٹا کہیں ملا؟“ ارشد نے دریافت کیا۔

”ابھی نہیں!“ پولیس افسر نے بے پروائی سے کہا لیکن ہم اسے ڈھونڈ رہے ہیں شاید قاتل ادھر ادھر پھینک گیا ہوں۔“

”ناظم اس موٹل میں کب آیا تھا۔“ ارشد نے پوچھا۔

”۶ بج کر ۵۴ منٹ پر اس کے ہمراہ ایک لڑکی بھی اس

رخ لاش کی جانب کرے پھر انسپکٹر نے ارشد سے کہا ”لڑکی کی لاش دیکھ کر یہ بتائیے کہ کیا آپ نے اس لڑکی کو پہلے کبھی دیکھا ہے؟“

ارشد بغور لاش کو دیکھنے لگا۔ اس کا رنگ زردی مائل ہو گیا تھا ابھی چہرے پر نیلا ہٹ نہیں ابھری تھی۔ ارشد کے لئے وہ چہرہ قطعی اجنبی تھا۔

”نہیں انسپکٹر صاحب! میں نے اس لڑکی کو کبھی نہیں دیکھا میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ لڑکی ناظم کے ہمراہ تھی تو پھر اس سے الگ کیسے ہو گئی؟ اس کو مار کر خندق میں کس نے پھینکا؟ چہرے پر شدید کرب کے آثار بھی موجود ہیں۔“

”مسٹر ارشد، موٹل کا جو کمرہ ناظم نے کرائے پر لیا تھا اس کا ایک دروازہ اس خندق کی جانب کھلتا ہے۔ موٹل کے کسی بھی ملازم نے لڑکی کو کمرے سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ہماری رائے ہے کہ اس لڑکی نے ناظم کو قتل کیا اور پچھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔ باہر اس کا قاتل اس کی ٹانگ میں تھا جس نے اسے قتل کر کے خندق ہی میں پھینک دیا۔ لیکن بظاہر قتل یا تشدد کے آثار بھی موجود نہیں۔“

”کیا آپ تصور کر سکتے کہ ایسی نازک اندام لڑکی کانٹے سے ناظم جیسے نوجوان کی جان لے سکتی ہے؟ آپ خود ہی کہہ چکے ہیں کہ اس کا قاتل کوئی بہت ہی طاقتور آدمی ہے جس نے اپنی بھرپور طاقت سے ناظم کی شہ رگ پر کانٹے سے وار کیا۔ کیا یہ لڑکی اتنی طاقت سے وار کر سکتی تھی؟“ ارشد نے کہا۔

”نہیں، بالکل نہیں۔ یہی بات ہمیں پریشان کر رہی ہے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ ممکن ہے قاتل نے خندق کی جانب کھلنے والے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ دستک سن کر یقیناً ناظم نے دروازہ کھولا ہوگا۔ موقع غنیمت جان کر قاتل نے کمرے میں آکر میز پر رکھی پلیٹ میں سے کانٹا اٹھا کر اس پر سوچا سمجھا وار کیا ہو اور پھر اس لڑکی کو ختم کرنے کے بعد اس کی لاش اٹھا کر یہاں لے آیا ہو۔ پھر اس نے لڑکی کے مردہ جسم کو خندق میں پھینک دیا ہو۔“ انسپکٹر مسعود نے اظہار خیال کیا۔

”انسپکٹر صاحب! آپ نے ڈاکٹر صاحب کی رپورٹ پر غور نہیں کیا۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ لاش پر کسی زخم کا نشان نہیں ہے، نہ ہی گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے اور نہ ہی زہریلی چیز دی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی موت کے لئے قاتل نے کس چیز کا استعمال کیا ہے؟“

وقت بجلی کی پلائی بند تھی جس کی وجہ سے موٹل میں مومی شمع روشن تھیں جن کی مدھم روشنی میں موٹل کے ملازم اس لڑکی کو بہ غور دیکھنے سے قاصر رہے لیکن انہیں اس کا لباس اور رنگ یاد ہے اس نے ہلکے گلابی رنگ کا گھٹنوں تک لمبا کوٹ جیسا گاؤں پن رکھا تھا۔ آپ کے دوست ناظم مرحوم نے یہ کمرہ پوری شب کے لئے بک کر لیا تھا وہ نئی جاپانی کار میں آئے تھے۔ کار موٹل کی پشت پر کھڑی ہے۔ کار میں آپ کے نام کا ڈرائیونگ لائسنس ملا ہے کیا وہ کار آپ کی ہے؟“

”جی ہاں۔ ناظم میری ہی کار سے بیلگام آیا تھا۔“

ارشد نے بتایا۔

”اچھا اب چلے چل کر خندق میں پڑی لڑکی کی لاش کی بھی شناخت کر لیجئے شاید کبھی آپ نے اسے اپنے دوست کے ساتھ دیکھا ہو۔“ انسپکٹر نے کہا۔

انسپکٹر مسعود، ارشد کو موٹل کے پیچھے لے گیا وہاں ایک گہری خندق تھی۔ خندق کے پاس دو تین لائٹنیں روشن تھیں۔ محکمہ پولیس کا ڈاکٹر ان کی روشنی میں لڑکی کی لاش کا معائنہ کر رہا تھا اس لڑکی کی لاش برسات کے پانی سے بھری خندق میں سے نکالی گئی تھی۔

انسپکٹر مسعود نے ڈاکٹر سے پوچھا کہئے۔ ڈاکٹر صاحب، کیا پتا چلا؟“

اس لڑکی کی عمر لگ بھگ چوبیس سال کی ہے، یہ خود کشی کا کیس بھی نہیں معلوم ہوتا اور اس خندق میں برسات کا پانی اس قدر بھی نہیں ہے کہ کوئی اس میں ڈوب سکے۔“ پولیس کے ڈاکٹر نے تفصیل سے بتایا۔

”پھر موت کا اصل سبب کیا ہے؟“ انسپکٹر نے دوسرا سوال کیا۔

”یہ ایک پہلی ہے۔ جسم پر زخم کا کوئی نشان نہیں ہے۔ گلا گھونٹ کر مار ڈالنے کا بھی کوئی نشان دکھائی نہیں پڑتا، اسے کوئی زہریلی چیز بھی نہیں دی گئی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کس طرح مارا گیا لیکن ان تمام باتوں کے بعد یہ بات یقینی ہے کہ اسے قتل کیا گیا ہے، قتل کے بعد اس کے مردہ جسم کو خندق میں پھینک دیا گیا ہے۔“

”اس کی موت کا وقت کیا ہوگا؟“

”لاش پانی میں رہی ہے اس لئے صحیح وقت کا اندازہ کرنا از حد مشکل ہے ویسے لگتا ہے کہ اس کی موت تقریباً دو تین گھنٹے پیشتر ہوئی ہے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”باقی معلومات تو پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد ہی حاصل ہو سکیں گی۔“

انسپکٹر نے ایک کانسٹیبل سے کہا کہ وہ لائین کی روشنی کا

”یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا۔ لڑکی کی موت کی وجہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد متعین کی جاسکے گی۔“ انسپکٹر مسعود گھور کر ارشد کو دیکھنے لگا۔ ارشد اس کے تصور سے کہیں زیادہ سمجھداری کی باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ارشد کا منہ تکتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ۔ سیلگام کب پہنچے؟ میں یہ نہیں پوچھ رہا کہ آپ ہوٹل کب پہنچے؟ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ۔ سیلگام کب آئے؟ اور آپ یہاں کس کام سے آئے ہیں؟“

”میں نباتاتی محکمہ کا کیمیکل انجینئر ہوں۔ یہاں کے انجینئر مسٹر اکرم کی جگہ صرف تین ہفتے کے لئے آیا ہوں، اس کے بعد فیض پور جانا ہے۔ وہاں کے لئے میرا تبادلہ ہوا ہے۔ میں ہوائی مستقر سے سیدھا ٹیکسی نمبر بی ۴۱۸ کے ذریعے ہوٹل ٹیپو سلطان پہنچا تھا جس کی تصدیق آپ اس ٹیکسی ڈرائیور سے کر سکتے ہیں۔“ ارشد نے بے جھجک کہا۔ پولیس انسپکٹر اپنی ڈائری میں ٹیکسی کا نمبر نوٹ کرنے لگا۔

”آپ یہاں تین ہفتے رہیں گے اور کیا اس دوران میں آپ ٹیپو سلطان ہوٹل ہی میں ٹھہریں گے؟“

”جی ہاں۔“ ارشد نے جواب دیا۔

”کو شش کیجئے گا کہ آپ کچھ دنوں چوبیس گھنٹے اسی شہر میں رہیں۔ یہ اس لئے کہا جا رہا ہے کہ ممکن ہے آپ کی ضرورت پڑے۔ آپ ناظم کے دوست ہیں۔“

”کیا میں اپنی کار لے جاسکتا ہوں؟“

”شوق سے لے جائیے۔“ انسپکٹر مسعود نے کہا۔

ارشد ہوٹل میں واپس آیا تو اس کی کافی پینے کی خواہش تیز ہو گئی۔ کافی آتے ہی وہ پینے بیٹھ گیا۔ اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات سر ابھارنے لگے۔ ناظم اس کی کار میں ہی کیوں۔ سیلگام آیا؟ کیا وہ راستے میں سے کسی اور شہر سے اس لڑکی کو اپنے ساتھ لایا تھا؟ وہ لڑکی کون تھی؟ کیا ناظم کو اس لڑکی کے باپ، بھائی، یا کسی اور قریبی عزیز نے قتل کیا؟ یا ناظم نے از خود اس لڑکی سے چھٹکارا پانے کے لئے اس کا قتل کیا؟ کیا ناظم کو ایسا کرتے ہوئے کسی نے دیکھ لیا تھا؟ کیا کوئی ناظم کا پیچھا کر رہا تھا؟ آخر اس لڑکی کو کس طرح قتل کیا گیا؟ لاکھ کوشش کے باوجود وہ ذہن میں ابھرنے والے لاتعداد سوالوں کے جواب تلاش نہ کر سکا۔ اس کا ذہن بو جھل ہو گیا۔ وہ جھنجھلا گیا اس کی جھنجھلاہٹ اور بڑھ جاتی اگر اس وقت اس کو اپنی شوہن کی یاد نہ آئی ہوتی۔ شوہن کی یاد آتے ہی اسے میجر عابدی بھی یاد آ گئے۔

ارشد قاتل نہیں تھا اس لئے اسے پولیس کا کوئی خوف بھی نہیں تھا۔ لیکن اس کے عزیز ترین دوست کو اس بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا تھا۔ وہ یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ قاتل کی تلاش میں پولیس ابھی تک کوئی سراغ نہ لگا سکی تھی۔ انسپکٹر مسعود کا ذہن خود بو جھل تھا وہ الجھا ہوا تھا۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر اس نے میجر عابدی کو ٹرنک کال کرنے کا پختہ ارادہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی کال ملتے ہی شوہن اور میجر عابدی۔ سیلگام کے لئے چل پڑیں گے۔

میجر عابدی کو فون کرنے اور اپنا پتا بتانے کے بعد میجر عابدی کے اس جملہ کو سن کر ارشد حیران رہ گیا۔ میجنور نے کہا تھا۔ ”ارشد تم جہاں بھی جاتے ہو، وہاں قتل کی واردات ضرور ہوتی ہے؟“ اس کے ساتھ ہی اسے شوہن کا یہ جملہ بھی بار بار یاد آرہا تھا کہ ”ارشد۔۔۔ تمہیں کیمیکل انجینئر کے بجائے جاسوس ہونا چاہئے تھا کیونکہ قتل کی وارداتیں تمہارے آڑے آرہی ہیں۔“ ارشد شوہن کی بات سن کر اس وقت مسکرایا تھا کہ اس بہانے شوہن سے ایک اور ملاقات ہونے کا امکان روشن ہے کیونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ فیض پور چلے جانے سے پہلے شوہن سے اس کی ملاقات ہو سکتی ہے۔ کچھ سوچ کر وہ ریسپنڈنٹ گرل کے پاس چلا گیا۔ وہ ارشد کو دیکھ کر مسکرائی اور بڑے پیارے انداز میں بولی۔ ”فرمائیے۔۔۔! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟“

”کیا آپ مجھے یہ بتا سکتی ہیں کہ ناظم آج کس وقت ہوٹل سے باہر گیا تھا؟“ ارشد نے لڑکی سے سوال کیا۔

”پانچ بجکر تیس منٹ پر۔“

”کیا اس وقت اس کے ہمراہ کوئی لڑکی یا عورت تھی؟“

”جی ہاں۔ ان کے ساتھ ایک عورت تھی۔ کاؤنٹر پر آکر اس عورت نے ناظم کے کمرے کا نمبر پوچھا ہی تھا کہ اسی وقت ناظم آگئے اور پھر وہ دونوں چلے گئے۔“

”کیا آپ اس عورت کا حلیہ بتا سکتی ہیں؟“

”ریسپنڈنٹ گرل نے اس عورت کا حلیہ بتایا۔ یہ حلیہ اس لڑکی سے ہرگز نہیں ملتا تھا جس کی لاش خندق سے نکلی تھی۔“

”کیا عورت نے آپ کو اپنا نام بتایا تھا؟“ ارشد نے سوال کیا۔

”میں اس عورت سے اس کا نام پوچھنا چاہتی تھی کہ یکایک مسٹر ناظم از خود آگئے۔ پھر مجھے اس کا نام پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔“

”کیا وہ دونوں ایک دوسرے سے متعارف دکھائی دیتے



تھے؟“ ارشد نے پوچھا۔

”جی ہاں، مسٹر ناظم نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔“ ہیلو۔“

اور اس ہیلو میں شناسائی موجود تھی۔

”اس عورت کا برتاؤ کیسا تھا؟“

”ایک شناسا کا سا۔“

”وہ کیسے لباس میں تھی؟“

”وہ سفید بلاؤز اور سیاہ ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔“

”شکریہ۔۔۔ براہ مہربانی آپ ناظم کے کمرے کی دوسری

چابی مجھے دے دیجئے۔“ ارشد نے کہا۔

رہسپنٹ گرل نے ایک بل ارشد کی طرف تشویش

بھری نظروں سے دیکھا اور پھر ناظم کے کمرے کی دوسری چابی

دیتے ہوئے بولی۔ ”چابی مجھے واپس کر دیجئے گا لیکن آپ مسٹر

ناظم کے کمرے میں کیوں جانا چاہتے ہیں؟“

”ناظم میرا ایک بیگ لایا تھا شب میں مجھے اس بیگ کی

ضرورت پڑے گی اس بیگ میں میرے رات کے سونے کی

پوشاک ہے۔“ ارشد نے صاف جھوٹ بولا تھا۔ کاؤنٹر گرل

کو معلوم ہو گیا تھا کہ ارشد، مقتول کا دوست ہے۔ اس لئے

اس نے چابی دے دی تھی۔

ارشد نے ناظم کا کمرہ کھولا تو اسے لگا جیسے کمرے میں

زور کی آندھی آئی ہو، جس سے تمام چیزیں ادھر ادھر ہو گئی

ہوں۔ کمرے کی الماریاں کھلی پڑی تھیں، میز کی درازیں نکال

کر فرش پر رکھ دی گئی تھیں۔ ناظم کا تمام سامان اور اس کے

کپڑے تک فرش پر بکھرے پڑے تھے۔ پلنگ کی نواڑ تک کو

کاٹ ڈالا گیا تھا، تکیے پھاڑ ڈالے گئے تھے جن کی روئی کا ڈھیر

پلنگ پر پڑا تھا۔ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا تھا کہ

کسی نے بہت تیزی اور عجلت سے کمرہ کی تلاشی لی ہے نہ

جانے تلاشی کو کس چیز کی تلاش تھی۔ طویل سفر اور یہاں

پہنچنے کے فوراً بعد اس ہونے والی اتفاقیہ واردات نے اسے

تھکا سادیا تھا۔ نیند سے اس کی آنکھیں بو جھل ہو رہی تھیں۔

چار ونا چار اس نے ناظم کے کمرے کو مقفل کرنے کے بعد

چابی حسب وعدہ رہسپنٹ لڑکی کو واپس کر کے بو جھل

قدموں سے چل کر اپنے کمرے میں آکر سو گیا۔

☆

دوسرے دن انسپکٹر مسعود دو مرتبہ ارشد کے پاس آیا

اور اس سے پوچھتا رہا کہ ناظم نے اپنے بیلاگم کے پروگرام

کے بارے میں کیا بتایا تھا لیکن ارشد کو یہ پتا ہی نہیں تھا کہ وہ

کس پروگرام کے تحت آیا تھا اور نہ ہی اس نے اس سلسلے

میں اس سے استفسار کیا تھا۔ اس نے صرف اس سے یہ

ضرور بتایا تھا کہ بیلاگم کی مسافت سے اس کی زندگی اور

موت کا تعلق ہے اور یہ مسافت اس کی موت ثابت ہوئی۔

پولیس نے ناظم کے کمرے کی تلاشی لی لیکن اسے کوئی

مشکوک چیز نہیں ملی اور نہ ہی ایسی کوئی شے جسے خصوصیت

دی جاسکے۔ ناظم کے قتل کی واردات ایک المناک سانحہ تھا

جس نے ارشد کے سارے وجود کو یاسیت کے گہرے سمندر

میں دھکیل دیا تھا۔ اس کے لئے یہ بات قابل اطمینان ضرور

تھی کہ میجر عابدی اور شوبی ضرور آجائیں گے اور اسے یہی

ایک مبہم سی کرن تقویت پہنچا رہی تھی۔

اگلے دن میجر عابدی، شوبی، نشی اور اختر، انجم کے ساتھ

ہوٹل نیپو سلطان پہنچ گئے۔ انہوں نے ایک بڑا کمرہ کرائے پر

لے لیا۔ انہیں دیکھ کر ارشد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

اسے دیکھ کر شوبی کا چہرہ بھی گلابی ہو گیا تھا ارشد نے موقع

ملتے ہی شروع سے آخر تک کی کہانی میجر عابدی کو سنا ڈالی۔

میجر عابدی نے ساری بات سننے کے بعد ارشد سے کہا

کہ وہ انسپکٹر مسعود سے متعارف کرائے۔ ارشد، میجر عابدی

کو انسپکٹر مسعود کے پاس لے گیا۔ انسپکٹر مسعود سے جب

ارشد نے میجر کا تعارف کرایا تو انسپکٹر کرسی سے اچھل پڑا۔

اس نے حیرت سے ارشد کی جانب دیکھا جو عالمی شہرت یافتہ

جاسوس میجر عابدی کو لے کر آیا تھا۔

”اوہ۔ میجر صاحب! میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں

اپنی خوشی کا اظہار کر سکوں میری خوش قسمتی ہے کہ یہ ناچیز

آپ جیسی عظیم شخصیت کو اپنے دفتر میں دیکھ رہا ہے۔ آپ

بیلاگم کیسے تشریف لائے؟“ انسپکٹر مسعود نے ایک ہی

سانس میں کہا۔

”میں اس کا اہل ہرگز نہیں جس کا اظہار آپ نے

کیا۔“ میجر عابدی نے انکساری سے کہا۔ ”ویسے ارشد نے

ہمیں بلایا، ہم چلے آئے۔“

انسپکٹر مسعود، ارشد کو قابل تحسین نظروں سے دیکھنے

لگا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ عالمی شہرت یافتہ جاسوس میجر عابدی

سے ارشد کا کیا تعلق ہے اور وہ بھی اتنا گہرا کہ اس کے

بلانے پر وہ آج بھی گئے۔

میجر عابدی، ارشد، اور انسپکٹر مسعود، واردات قتل پر

تبادلہ خیال کرتے رہے۔ پھر میجر نے سوال کیا۔ ”انسپکٹر ابھی

تک اس لڑکی کی شناخت ہوئی یا نہیں؟ پوسٹ مارٹم ہو گیا کہ

نہیں؟“

”نہیں۔“ انسپکٹر نے جواب دیا۔ ”فی الحال فوری طور

پر پوسٹ مارٹم نہیں ہو سکے گا۔ وقت لگے گا۔“

## مقدمہ

”بھئی، میری بیوی تو ہر وقت کچن میں مصروف رہتی ہے۔“  
”بڑے خوش قسمت ہو یاد۔ بہت لذیذ کھانے ملتے  
ہوں گے۔“

”اے نہیں۔ ہماری ایسی قسمت کہاں؟“ اپنی بیوی کی  
تعریف کرنے والے نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔  
”ہوٹل میں کھانا پڑتا ہے۔ کچن میں تو وہ ٹیلی فون کرنے جاتی  
ہے۔ ہمارا ٹیلی فون وہیں نصب ہے۔“

”مہجر نے کہا۔“

تھوڑی دیر میں وہ سائڈ وے موٹل میں پہنچ گئے۔ ناظم  
نے پوری شب کے لئے جو کمرہ بک کرایا تھا اس کو پولیس نے  
مقتول کر دیا تھا۔ انسپکٹر مسعود نے کمرے کا تالا کھول دیا۔ مہجر  
کمرے میں چلے گئے۔ کمرے میں ہاتھ پائی کے نشان نہیں  
تھے۔ مہجر دس منٹ تک کمرے کا معائنہ کرتا رہا میز پر ایک  
ٹیبیل لیپ رکھا تھا جس کا خوبصورت رنگین تار میز کے ساتھ  
ساتھ ہوتا ہوا دیوار میں لگے ہوئے پلگ تک جاتا تھا۔ ٹیبیل  
لیپ کے اس تار کو دیکھ کر مہجر پہلے تو مسکرایا اور پھر سٹی  
بجانے لگا۔ ایک منٹ بعد اس نے انسپکٹر مسعود سے کہا۔  
”موٹل کے مہجر کو اس کمرے میں بلواؤ۔“

انسپکٹر مسعود موٹل کے مہجر کو بلا کر لے آیا۔ مہجر نے مہجر  
سے پوچھا۔ ”اس ٹیبیل لیپ کا تار کب کا ٹا گیا؟ اور اس تار  
کے ساتھ کچھ اور برہنہ تار کیوں جوڑے گئے؟“  
”اے کسی نے نہیں کاٹا اور اس تار کو بڑھانے کے  
لئے تار بالکل نہیں جوڑا گیا۔ یہ نیا ٹیبیل لیپ ہے اسے کچھ  
دن پہلے ہی خریدا گیا تھا اس کا تار بالکل نیا اور بے جوڑ تھا۔“  
مہجر نے بتایا۔

”آپ جاسکتے ہیں۔“ مہجر عابدی نے کہا۔

موٹل کے مہجر کے چلے جانے کے بعد مہجر عابدی نے  
کہا۔ ”انسپکٹر صاحب، میں اب آپ کو بتا سکتا ہوں کہ اس  
لڑکی کو کس طرح مارا گیا اور اس کمرے میں کیا کچھ ہوا؟“  
”کیا آپ کو علم ہو گیا کہ اس لڑکی کو کس طرح قتل کیا  
گیا؟“ انسپکٹر مسعود نے پوچھا۔

”ہاں اس لڑکی کو بجلی کے کرنٹ سے مارا گیا ہے اور  
میرے خیال میں جو واردات ہوئی ہے اس کی تفصیل کچھ  
اس طرح ہے۔۔۔ مقتول لڑکی غالباً ”ناظم کی محبوبہ تھی۔ ممکن

”کیا میں اس لڑکی کی لاش دیکھ سکتا ہوں؟“ مہجر بولا۔  
”چلیے، آپ کو لڑکی کی لاش دکھاؤں۔“ انسپکٹر مسعود  
ان کو مردہ خانہ لے گیا۔ مہجر نے لاش دیکھی۔ لاش پر سچ مچ  
کسی زخم یا ضرب کا کوئی نشان نہیں تھا، لاش دیکھنے کے بعد  
مہجر اس کے کپڑے دیکھ کر مسکرانے لگے۔ انہوں نے عجیب  
ڈرامائی انداز میں اس بات کا انکشاف کیا کہ ”یہ کپڑے اس  
لڑکی کے نہیں۔“  
”یہ کپڑے اس لڑکی کے نہیں ہیں؟“ انسپکٹر مسعود نے  
حیرانی سے پوچھا۔

”نہیں۔ اس لڑکی کی ٹانگیں لمبی ہیں یہ پتلون تو اس کی  
پنڈلیوں تک آئے گی۔ اس لڑکی کا بدن چھریا ہے اور یہ  
کوٹ نما گاؤن بہت چوڑا اور ڈھیلا ہے یہ کپڑے کسی بھاری  
بدن والی خاتون کے ہیں جس کا قد پانچ فٹ سے زیادہ ہرگز  
نہیں ہو سکتا اور ارشد کے بیان کے مطابق ناظم جس  
عورت کے ساتھ ہوٹل سے آیا تھا وہ عورت سفید بلاؤز اور  
کالی ساڑھی پہنے ہوئے تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہوٹل  
ٹیپو سلطان میں جو عورت ناظم سے ملنے آئی تھی اور جسے ناظم  
اپنے ساتھ لے گیا تھا وہ اس کے ساتھ سائڈ وے موٹل  
میں نہیں گئی تھی۔“

”ناظم کے ساتھ ایک لڑکی گئی تھی جو گلابی رنگ کا  
کوٹ نما گاؤن اور چوڑے پانچوں والی پتلون پہنے ہوئے  
تھی۔“ انسپکٹر مسعود نے کہا۔

”اور جس لڑکی کا یہ لباس ہے اس کو قتل کر کے اس  
خندق میں نہیں پھینکا گیا بلکہ کسی اور کو پھینکا گیا ہے۔ ناظم  
کے ساتھ جانے والی لڑکی شاید قاتل کی ساتھی تھی۔ اس  
طرح تین عورتیں ہمارے سامنے آئی ہیں ایک وہ عورت  
جس کے ساتھ ناظم ہوٹل سے آیا، دوسری وہ جو ناظم کے  
ساتھ ہوٹل میں گئی اور تیسری لڑکی یہ جسے مار کر خندق میں  
پھینک دیا گیا۔ ہمیں ان دونوں عورتوں کو تلاش کرنا چاہئے  
جن میں سے ایک ناظم سے ملنے کے لئے ہوٹل آئی تھی اور  
دوسری جو اس کے ساتھ موٹل میں آئی تھی۔“ مہجر عابدی  
نے کہا۔

”ابھی تک اس لڑکی کے قتل کا طریق کار سمجھ میں نہ  
آسکا۔“

”اگر آپ مجھے سائڈ وے موٹل میں لے چلیں تو شاید  
اس کمرے میں کوئی سراغ مل سکے کہ اس کا قتل کس طرح  
کیا گیا ہے مردہ لڑکی کے چہرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ گلابی  
نہیں دبا گیا اور نہ ہی تکیہ کے دباؤ سے اس کا گلا گھونٹا گیا



ہے وہ ناظم کا پیچھا کرتی رہی ہو اور جب ناظم گلابی گاؤں والی لڑکی کو لے کر اس موٹل میں آیا تو وہ بھی اس کا پیچھا کرتی ہوئی اس کے ساتھ ساتھ چلی آئی اور قاتل اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا۔ مقتول لڑکی حسد کی آگ میں جلی بھنی عقی دروازہ پر دستک دے کر کمرے میں آگئی لیکن اسی دوران قاتل بھی اس لڑکی کے پیچھے کمرے میں چلا آیا اور اس نے حملہ کر دیا اس کے پاس کوئی وزنی لیکن نرم چیز تھی۔ اس نے بجلی جیسی تیزی سے دونوں لڑکیوں اور ناظم پر وار کیا اور اپنے جچے تلے وار سے ان تینوں کو بے ہوش کر دیا۔ اس کا ارادہ قتل کا ہرگز نہیں تھا۔

”وہ قتل کے ارادہ سے نہیں آیا تھا تو پھر اس نے یہ قتل کیوں کر ڈالے؟“ انسپکٹر مسعود نے برجستہ سوال کیا۔

”وہ آنے والی لڑکی کو یہاں دیکھ کر جل بھن گیا شاید وہ بھی رقابت کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ لڑکی کو یہاں دیکھ کر مشتعل ہو گیا اور اس نے اس کے محبوب کو قتل کرنے کا فوری ارادہ کر لیا۔ اس نے ٹیبل لیپ کا ننگا تار اس کے بدن سے لگا کر بجلی کا سوچ آن کر دیا اور اس طرح اس لڑکی کا خاتمہ کر دیا۔“ ”اوہ۔۔۔ میجر صاحب، یقیناً یہی ہوا ہو گا۔“ ارشد نے کہا۔

”پھر اس نے کاٹا ہوا تار جوڑ دیا۔ اس نے اس لڑکی کی لاش اٹھا کر جیسے ہی چلنے کا ارادہ کیا ناظم کو ہوش آ گیا۔ اس کو ہوش میں آنا دیکھ کر اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ قاتل اپنے چشم دید گواہ کو ابدی نیند سلا دے۔ یہ سوچتے ہی اسے سامنے رکھی پلیٹ میں کھانے کا کاٹا دکھائی دے گیا۔ ناظم پلنگ پر سے اٹھ ہی رہا تھا کہ قاتل کو اپنی گرفت میں لے لے کہ یکایک قاتل نے اس کی گردن میں کانٹے کا بھرپور وار کر دیا اپنے مقصد کی کامیابی کے بعد کانٹے کو نکال کر جیب میں رکھ لیا۔ وہ اس مردہ لڑکی کے جسم کو اٹھا کر خندق کے کنارے آ گیا۔ اس نے مقتول لڑکی کو خندق کے سپرد کر دیا اور دوسری لڑکی کا گلابی گاؤں اور ڈھیلے پانچوں کی پتلون مقتول کو پسندی تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ ناظم جس لڑکی کو لے کر آیا تھا اسے مار ڈالا گیا ہے۔ دوسری لڑکی جو گلابی گاؤں اور بڑے پانچوں والی پتلون پہنے ہوئے تھی اور ناظم کے ہمراہ آئی تھی اسے مقتول کے کپڑے پہنا دیئے۔ لڑکی نے ناظم کی لاش پڑی دیکھی تو وہ گھبرا گئی اور پھر وہاں سے فرار ہو گئی۔ ان تمام تفصیل کے بعد آپ کو چاہئے انسپکٹر مسعود کہ جتنی جلدی ممکن ہو اس گلابی گاؤں والی لڑکی اور اس عورت کو تلاش کرنا چاہئے جو ناظم کے ساتھ اس کے موٹل میں آئی تھی۔“

”میں پوری پوری کوشش کروں گا۔“ انسپکٹر مسعود نے بریقین لہجہ میں جواب دیا۔ اتنے میں موٹل کے ملازم نے آکر انسپکٹر سے کہا کہ ”آپ کا فون ہے کوئی صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔“ انسپکٹر فوراً ”چلا گیا اور پانچ منٹ کے وقفہ کے بعد واپس آ گیا۔ آتے ہی اس نے بتایا کہ ”مقتول لڑکی کو ایک عورت نے پہچان لیا ہے وہ عورت اس وقت میرے آفس میں بیٹھی ہوئی ہے۔“ اتنا سننے کے بعد میجر عابدی، انسپکٹر مسعود کے ہمراہ اس کے دفتر کی جانب چل پڑا۔

انسپکٹر مسعود کے آفس میں درمیانی عمر کی ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھی، سارجنٹ اس سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ سارجنٹ انسپکٹر اور اس کے ہمراہ میجر عابدی کو آتا ہوا دیکھ کر ایک دم اٹیشن ہو گیا اور پھر بولا۔ ”جناب۔۔۔ یہ مسز یونس ہیں۔ ۲۴۵ شاہراہ لیاقت، وزیر آباد میں رہائش پذیر ہیں، یہ وہ ہیں ان کا اپنا مکان ہے۔“

”اچھا۔ تم جاؤ۔“ انسپکٹر نے سارجنٹ سے کہا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میجر نے مسز یونس سے پوچھا۔ ”مسز یونس! آپ مرحومہ لڑکی کو کیسے جانتی ہیں؟“ ”وہ میری کرائے دار تھی۔ دو ماہ پیشتر اس نے میرے مکان کا دوسرا حصہ کرائے پر لیا تھا۔“ مسز یونس نے جواب دیا۔

”اس لڑکی کا نام کیا تھا؟“

”عفت رحمان۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کا شوہر پریس فوٹو گرافر ہے اور ان دنوں وہ وزیر آبپاشی کے ہمراہ چیکو سلواکیہ گیا ہوا ہے۔ اس کی واپسی تین ماہ بعد ہوگی۔ بڑی خوش مزاج اور ہنس مکھ لڑکی تھی۔ اسے اپنے شوہر سے دلی انس تھا ہر وقت وہ اپنے شوہر کی ہی باتیں کرتی رہتی تھی۔“

”کیا اس سے ملنے کے لئے کوئی آتا رہتا تھا؟“ میجر عابدی نے پوچھا۔

”نہیں، کوئی نہیں۔“ مسز یونس نے بتایا۔

”کیا کبھی اس نے آپ سے یہ کہا تھا کہ اسے کسی سے خطرہ ہے؟“ ”نہیں۔“

”عفت رحمان۔ کل اپنے گھر سے کس وقت نکلی تھی؟“

”دوپہر کو“ اور پھر واپس نہیں آئی۔ شام کو میں نے اس کے گھر کا دروازہ کھلا دیکھا تو میں سمجھی کہ وہ واپس آگئی ہے لیکن وہ گھر میں نہیں تھی یہ جان کر میں حیران رہ گئی کہ وہ گھر

”اوہ مجھے تو خیال ہی نہیں آیا۔ میں نے کئی بار اس فوٹو فریم کو الماری پر دیکھا تھا وہ فوٹو فریم کل بھی اس جگہ تھا۔“

”مسز یونس۔۔۔ وہ فوٹو کس کا تھا؟“ میجر نے پوچھا۔

”عفت رحمان کے شوہر کا وہ سیاہ گھنگھریالے بال بڑی بڑی آنکھیں، ستواں ناک اور کشادہ پیشانی والا نوجوان تھا۔ فوٹو میں وہ شاندار سوٹ اور سفید قمیص میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے کندھے چوڑے اور ٹھوڑی قدرے ابھری ہوئی تھی۔“ میجر نے یہ حلیہ ذہن نشین کر لیا۔

”مسز یونس ایک بات اور بتائیے کیا عفت کی کوئی خاص عادت تھی؟“

”ہاں۔ لیکن اسے اپنی اس عادت کا کوئی احساس نہیں تھا۔“

”وہ کیا عادت تھی؟“

”لا شعوری طور پر وہ اپنی نازک انگلیاں اپنی بائیں ران پر اس طرح چلاتی رہتی تھی جیسے وہ انگلیاں نہیں بلکہ ان سے ستارہ بج رہی ہو اور کبھی کبھی اس طرح اپنے رخساروں پر بھی انگلیاں چلانے لگتی تھی۔“

”شکریہ مسز یونس، آپ کو زحمت ہوئی۔“ میجر نے کہا۔

انسپکٹر مسعود نے واپسی میں میجر سے پوچھا۔ ”کیا آپ کو عفت رحمان کے یہاں کسی خاص بات کا پتا چلا؟“

”صرف یہ معلوم ہوا کہ چور الماری پر رکھا ہوا فوٹو لینے آیا تھا، جسے وہ لے بھی گیا۔“ میجر نے کہا۔



”کیوں؟“

”وہ اپنا فوٹو یہاں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا؟“

”کیا اسی نے عفت کو قتل کیا ہے؟“

”ابھی کچھ کہنا، قبل از وقت ہو گا۔“ میجر نے بات کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ ان دونوں عورتوں کو تلاش کیجئے جن کے متعلق میں بتا چکا ہوں۔“

”بہت اچھا۔ میں ان کی تلاش میں دن رات ایک کر دوں گا۔“ انسپکٹر مسعود نے یقین ہو کر کہا۔

انسپکٹر مسعود، میجر کو ان کی رہائش گاہ ”ٹیو سلطان ہوٹل“ کے لان تک چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ لان کے وسیع میدان کو پار کرنے کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئے تو ارشد اور اپنے دو سرے ساتھیوں کو اپنا منتظر پایا۔ ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد میجر نے ارشد کو اس آدمی کا حلیہ بتایا جس کا فوٹو عفت کے کمرے سے چور اٹھا کر لے گیا تھا۔

ارشد سے اس نے پوچھا۔ ”کیا یہ ناظم کا حلیہ ہے؟“

”نہیں۔“

میں موجود نہیں ہے۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ اس کے گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا جبکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ دروازے کو مقفل کر کے گئی تھی۔ مجھے خدشہ ہوا کہ کوئی دروازے کا تالا توڑ کر اندر گھسا ہے اتنا سوچ کر میں سم گئی، میں کچھ نہیں بتا سکتی کہ چور اس کے گھر سے کیا لے گیا ہے۔ میں کافی دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی، وہ رات کو بھی نہیں لوٹی، میں پوری شب فکر منید رہی، وہ کل بھی نہیں پہنچی، آج میں نے اخبار میں اس کے قتل کئے جانے کی خبر پڑھی، خبر کے اختتام میں لکھا تھا کہ مقتول لڑکی کے شناسا اور واقف کار انسپکٹر مسعود سے رابطہ قائم کریں اس لئے میں اخلاقی فرض کی ادائیگی کے لئے یہاں چلی آئی۔“ مسز یونس نے تفصیل سے کہا۔

”مسز یونس! ہمارے ساتھ اپنے گھر چلئے۔“ میجر عابدی نے کہا۔

وزیر آباد میں شاہراہ لیاقت پر ۲۴۵ نمبر کا مکان ایک چھوٹا مکان تھا جس کے دوسرے حصے میں عفت رحمان رہتی تھی۔ اس کے گھر کے دروازے پر مسز یونس نے اپنا تالا لگا دیا تھا، جاتے ہی انہوں نے اسے کھول دیا۔ مکان کے اس حصے میں دو کمرے تھے اور وہ بھی چھوٹے، ساتھ میں چھوٹا سا غسل خانہ اور برابر میں چھوٹا سا باورچی خانہ۔۔۔ دونوں کمرے میں مختصر سا ضروری سامان تھا، ایک کمرے میں دو کرسیاں اور چھوٹا سا صوفہ تھا، دوسرے کمرے میں چھوٹی سی الماری تھی، میز کے پاس دو کرسیاں تھیں، یہ میز ڈائننگ ٹیبل کا کام دیتی تھی۔ کمرے کی دیواریں آرائش سے عاری تھیں البتہ ایک دیوار پر کینٹ سائز کا عفت رحمان کا ایک فوٹو ضرور آویزاں تھا۔

دونوں کمروں کی موجودہ حالت سے پتا چلتا تھا کہ کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ کمرے کی ساری چیزوں میں کوئی بھی ایسی شے نہیں تھی جس سے پتا چل سکے کہ وہ مردوں کے استعمال کی ہے۔ جس کا صاف مطلب تھا کہ عفت رحمان کا کوئی شوہر نہیں ہے وہ کنواری تھی، میجر نے کمروں کا بغور معائنہ کے بعد نتیجہ اخذ کیا۔ اتنا سمجھنے کے بعد وہ اس بات کو جاننے کی کوشش کرنے لگا کہ چور کیا چر کر لے گئے ہیں۔ اس نے الماری کے اوپر دیکھا وہ حصہ خاک آلود تھا۔ دھول میں کچھ ایسے نشان ضرور تھے جن سے پتا چلتا تھا کہ الماری کے اوپر کوئی فوٹو فریم رکھا ہوا تھا۔ میجر نے مسز یونس سے دریافت کیا۔ ”کیا اس الماری پر کوئی فوٹو فریم رکھا ہوا تھا؟ فریم شدہ فوٹو؟“

”ناظم کے بارے میں تم کس حد تک جانتے ہو“ تفصیل سے بتاؤ۔“

”وہ فیض پور کے ایک رئیس کا بیٹا تھا، درمیانی قد، سانولا رنگ اور دبلا پتلا بدن۔ فطرتاً وہ عیش پسند تھا، صنف نازک سے گفتگو کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ اکثر وہ مطالعہ کرتے کرتے رک جاتا تھا پھر اسٹیک پیڈ پر کچھ نہ کچھ بنانے لگتا تھا وہ جب بھی تنہا ہوتا تو اپنے پاس اسٹیک پیڈ اور قلم ضرور رکھتا تھا۔“ اتنا سن کر میجر کچھ سوچتے ہوئے ارشد سے بولا۔ ”تم نیچے جا کر ہوٹل کی ریسپنڈنٹ لڑکی سے ناظم کے کمرے کی ڈپلیکٹ چابی لے آؤ۔“

چابی کے آتے ہی ناظم کے کمرے کو کھول کر سب سے پہلے اس کے اسٹیک پیڈ کی تلاش کی گئی۔ ادھر ادھر تلاش کیا لیکن نہ مل سکا کچھ ہی دیر کے بعد میجر کو ایک اسٹیک پیڈ سوٹ کیس کے اندر اخبار کی تہہ میں چھپا ملا۔ پیڈ کے تمام صفحہ بھرے ہوئے تھے آخر کے دو صفحات اب بھی سادہ تھے۔ پیڈ کے آخری صفحے کی پشت پر کچھ لڑکیوں اور جانوروں کی شکلیں ناظم نے بنا رکھی تھیں۔ صفحہ کے داہنی طرف کے کونے میں بہت ہی خوبصورت انداز میں ایک نام تحریر تھا اور اس نام کے اوپر ایک چھوٹا سا پھول مع پتیوں کے بنا ہوا تھا۔ پھول اور سبز پتیوں کے درمیان ”جبار فریدی“ کا نام عربی رسم الخط میں تحریر تھا اس پیڈ کو دیکھتے ہوئے میجر عابدی نے کچھ لمحے بعد بتایا کہ جو شخص ناظم کے کمرے میں آیا وہ اس اسٹیک پیڈ کی تلاش میں نہیں آیا بلکہ اس کے آنے کا کوئی اور ہی مقصد رہا ہوگا۔ اتفاق سے وہ اسے اٹھا کر لے جاتا تو ہم کو ”جبار فریدی“ کے نام کا علم ہرگز نہ ہوتا، آؤ۔ اب اپنے کمرے میں چلیں۔“ کمرے میں آتے ہی سب سے پہلے میجر نے انسپکٹر مسعود کو فون کرنے کے بعد پوچھا۔ ”کیا آپ کسی جبار فریدی کو جانتے ہیں؟“

”اس شہر میں جبار فریدی کو کون نہیں جانتا؟ وہ تیل کے سب سے بڑے تاجر ہیں اس کے علاوہ رہائشی کمروں اور فلیٹوں کی ایک بہت بڑی اور اونچی بلڈنگ بنوا کر کرایہ پر اٹھا رکھی ہے جس کا نام ”فردوس“ ہے اس میں تقریباً ایک سو دس فلیٹ ہیں جن کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپے سے کم ہرگز نہیں یہ بلڈنگ لیاقت آباد کے مین روڈ پر واقع ہے۔ کچھ دن پہلے انہوں نے ایک کلب گھر کا بھی افتتاح کیا ہے۔ ”عشرت کلب“ شہر کے روسا میں کافی مقبول ہے۔“

”عشرت کلب“ جبار فریدی نے کب کھولا؟“ میجر نے پوچھا۔

”آج سے تقریباً ڈھائی سال پہلے یہ کلب ایک امیر کا تھا اس وقت اس کلب کا نام ”سوٹ ہارٹ“ تھا۔ جبار نے کلب کو خرید کر ”عشرت کلب“ میں تبدیل کر دیا۔“

”والٹن نے اپنا کلب کیوں فروخت کیا تھا؟“

”کلب کے بیوپار میں مستقل نقصان ہونے کی وجہ سے وہ دیوالیہ ہو گیا تھا۔ بچی ہوئی رقم اور اس کا اپنا ذاتی بنگلہ و دیگر جائیداد فروخت کرنے کے بعد بھی جب اس کا قرض ادا نہ ہوا اور کلب بھی نہ چلا تو اس نے کلب کو فروخت کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اسی دوران ان حالات کو دیکھ کر اس کی خود داری بیوی نے خود کشی کر لی۔ بیوی کی خود کشی سے وہ اور بھی ہراساں ہو گیا۔ بالآخر اس نے وہ کلب جبار فریدی کے ہاتھوں بیچ کر اپنے وطن انگلینڈ کی راہ لی۔“

”کیا جبار فریدی شادی شدہ ہے؟“ میجر نے سوال کیا۔

”جی ہاں۔ اس کی موجودہ بیوی ”مہ جبین“ فلمی رقاصہ تھی۔ شادی ہو جانے کے بعد اس نے فلمی زندگی کو چھوڑ کر ازدواجی زندگی اپنائی۔ آپ کو جبار فریدی کا نام کیسے یاد آگیا؟“

”کسی نے اس کا نام لیا تو میں نے ضروری سمجھا کہ آپ سے ہی اس کی تفصیل معلوم کر لوں، ان دونوں عورتوں میں سے کسی کا پتا چلے تو فوراً مجھے مطلع کیجئے گا اور ہاں یاد آیا۔ جبار کا رہائشی پتا کیا ہے؟“

”۷-۳ شاہراہ اقبال۔“

”شکریہ انسپکٹر۔“ فون کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی اس نے نشی اور روزی کو حکم دیا کہ وہ فوراً قیمتی اور عمدہ لباس پہن کر بہترین میک اپ کر لیں تاکہ وہ ان دونوں کو اپنے ساتھ کسی رنگیلے رئیس سے ملا سکے۔ میجر کی بات سن کر وہ دونوں اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں تھوڑی دیر بعد وہ جب نکلیں تو ”اپسرائس“ معلوم ہو رہی تھیں۔

☆

۷-۳ شاہراہ اقبال کے حسین و خوبصورت بنگلے کے باہری پرآمدے میں ریلوے بنگ کی مانند ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ جبار فریدی سے ملنے کے خواہشمندوں کو پہلے اپنا کارڈ اس کھڑکی میں دینا ہوتا، کارڈ نہ ہونے کی صورت میں کسی کاغذ کی چٹ پر اپنا نام اور پتا لکھنا ضروری تھا۔ کچھ دیر بعد معلوم ہوتا کہ جبار فریدی بغیر وقت دیئے اس شخص سے ملنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ اس کھڑکی کے پیچھے بیٹھی ہوئی اینگلو انڈین لڑکی کو میجر نے اپنا شناختی کارڈ دینا مناسب نہ سمجھ کر اس سے کہا ”میں اسی وقت جناب جبار فریدی سے



## ٹینڈر نوٹس



حسب ذیل آئٹمز کی خریداری کے لئے زیڈ ایم سی کراچی (سنٹرل) کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے سربمہر لفافوں میں ٹینڈر مطلوب ہیں۔

نمبر شمار	کام کی صراحت	مقدار	ٹینڈر فیس	ٹینڈر ہذا کے لئے مطلوبہ
			روپے	یکمشت ذریعہ نہ روپے
1-	ایکس ای این (ایم اینڈ ای) زیڈ ایم سی کراچی (سنٹرل) کے استعمال کے لئے ٹینکل آئٹمز کی سپلائی کے لئے ٹینڈر۔	مقدار اور مکمل تصریحات ٹینڈل (بی) میں مذکور ہیں	200/=	2000/=
	(ٹینڈر نمبر ٹی/7-93-94ء)			

ٹینڈر بتاریخ 11-11-93 بوقت 10-30 بجے صبح اس ٹینڈر بکس میں ڈال دیئے جائیں جو بمقام دفتر میونسپل کمشنر زیڈ ایم سی کراچی (سنٹرل) واقع ایوان وسطیٰ شارع ابن سینا ناظم آباد نمبر 2 کراچی نصب شدہ ہے۔ ٹینڈر فارم مع شرائط و ضوابط (تفصیلی تصریحات) زیڈ ایم سی (سی) کے پرچیز ڈپارٹمنٹ اور اکاؤنٹس آفیسر زیڈ ایم سی (سی) سے تمام حاضری والے دنوں میں اوقات کار کے دوران مذکورہ بالا ٹینڈر فیس کا پے آرڈر بحق زیڈ ایم سی کراچی (سنٹرل) پیش کر کے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

ٹینڈر دہندگان کو چاہئے کہ وہ مذکورہ بالا ذریعہ نہ کے سلسلہ میں کسی ٹینڈل بینک کا پے آرڈر بحق زیڈ ایم سی کراچی (سنٹرل) ٹینڈر کے ہمراہ منسلک کریں چیک قابل غور نہیں ہوں گے۔ ٹینڈر کھلنے کی تاریخ پر کوئی ٹینڈر جاری نہیں کیا جائے گا۔

زوفل میونسپل کمیٹی کراچی (سنٹرل) رولز کے مطابق کسی بھی ٹینڈر کو منظور یا مسترد کرنے کا حق محفوظ رکھتی ہے۔

دستخط میونسپل کمشنر

شہر قائد کو پاک و صاف رکھئے

(آئی۔ این۔ ایف۔ کے آر وائی-4964)

ملنا چاہتا ہوں کیا آپ اس سلسلے میں میری مدد کر سکتی ہیں؟“  
اینگلو انڈین لڑکی نے میجر کے ساتھ دو حسین اور  
خوبصورت نوجوان لڑکیوں کو دیکھا تو وہ لڑکی ہونے کے باوجود  
ان کی جاذب نظر شخصیتوں سے متاثر ہوئی، لیکن پھر بڑی  
زری سے بولی۔ ”کیا آپ نے مسٹر فریدی سے ملنے کا وقت  
لے رکھا ہے؟“

”جی نہیں۔“ میجر نے جواب دیا۔

”معاف کیجئے گا“ آپ ان سے نہیں مل سکتے۔“

”میں ان سے ملنے آیا ہوں اور مل کر ہی جاؤں گا۔“

میجر نے متاثر کن انداز میں کہا۔

”آپ کا اسم گرامی؟“

”میجر عابدی۔“ میجر نے کہا اور پھر اپنے لہجہ میں سختی

پیدا کرتے ہوئے بولا۔ ”فیض پور سے آیا ہوں۔“

اتنا سنتے ہی اینگلو انڈین لڑکی نے ریسیور اٹھا کر نمبر گھمایا  
اور بڑی گھبراہٹ سے بولی۔ ”سرفیض پور سے کوئی میجر مسٹر  
عابدی آپ سے ملاقات کا وقت لئے بغیر ملنا چاہتے ہیں ان  
کے ہمراہ دو خوبصورت لڑکیاں بھی ہیں۔“

ایک منٹ بعد لڑکی نے کہا کہ آپ سب صدر دروازہ  
پر پہنچ جائیں۔ دروازہ پر تعینات تندرست و توانا شخص سے  
اینگلو انڈین لڑکی نے کہا کہ وہ انہیں مسٹر جبار کے کمرے میں  
لے جائے۔ ”وہ شخص ان کو ہال کمرے میں سے گزار کر  
”استقبالیہ کمرہ“ میں لے گیا اور بولا۔

”آپ تشریف رکھیں۔“ لڑکی نے سامنے رکھی ہوئی  
ایک گول میز پر رکھے ہوئے بکس کا ہینڈل گھمایا وہ ایک خود  
کار ٹرانسمیٹر تھا جس سے شاید خبر ہو جاتی تھی کہ مسمان  
کمرے میں آگئے ہیں۔ یکایک ٹرانسمیٹر کے اسپیکر سے آواز  
آئی۔ ”میجر عابدی کو اندر لے آؤ۔“

وہ شخص انہیں استقبالیہ کمرے کے پیچھے والی گیلری  
میں سے گزار کر ایک کمرہ کے سامنے لے گیا جس کے  
دروازہ پر جبار فریدی کے نام کی آہنی پلیٹ آویزاں تھی۔  
میجر نے کمرے کے دروازہ کی دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا کہ اس  
کمرے کی گھنٹی خود بخود بج اٹھی فوراً ہی ایک نوجوان  
خوبصورت لڑکی نے دروازہ کھول کر ان کو اندر آنے کا اشارہ  
کیا۔

روزی اور نشی کے ساتھ میجر عابدی اس کے پیچھے پیچھے  
کمرے کے اندر چلے گئے۔ کمرے کے درمیانی حصہ میں  
ایک بہت بڑی میز کے پیچھے پستہ قد کا ایک شخص کرسی پر بیٹھا  
ہوا تھا جس کا چہرہ لمبو ترہ اور قدرے دبلا تھا اس کی آنکھوں پر

دبیز شیشوں کی عینک چڑھی ہوئی تھی۔ نظر کے دبیز شیشوں  
کے پیچھے اس کی عیار آنکھوں کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا۔  
اس نے روزی اور نشی کو باری باری دیکھ کر بے پروائی سے  
پوچھا۔ ”آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے مجھ سے ملنے کے لئے  
میرے اصول کو توڑنے کی کوشش کیوں کی؟ اور آپ کے  
ہمراہ یہ خوبصورت لڑکیاں کون ہیں؟“

”یہ میری اسسٹنٹ روزی اور نشی ہیں۔“ میجر نے  
کہا۔ ”آپ سے ملنا بہت ہی ضروری تھا؟“

”کیوں؟“

”مسٹر فریدی! آپ ناظم نام کے کسی شخص کو جانتے

ہیں؟“  
”نہیں، میں کسی ناظم نام کے شخص کو نہیں جانتا۔“  
”سوچ کر جواب دیجئے۔ شاید یاد آجائے، ناظم کو قتل  
کر دیا گیا ہے اور وہ بھی بیدردی سے۔“ میجر نے دوبارہ  
پوچھا۔

”میں سوچ کر ہی بتا رہا ہوں کہ میں اس کو نہیں جانتا اور  
نہ ہی مجھے اس کے قتل کا علم ہے۔ غالباً“ آپ مجھے اس کیس  
میں ملوث کرنے کی نیت سے آئے ہیں، آپ سمجھتے ہیں کہ میں  
نے اس کو قتل کیا ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ آپ ہی نے اسے بیلگام آنے کی  
دعوت دی تھی۔“

”میں کسی کو یہاں آنے کی دعوت نہیں دیا کرتا۔“  
”مسٹر جبار فریدی! آپ کے خاندان کی کوئی لڑکی تو ہم  
نہیں ہے؟“

”آپ یہ کس قسم کے ذاتی سوالات کر رہے ہیں؟ مجھے  
اس قسم کے سوالات پسند نہیں ہیں، ان سے آپ گریز  
کریں۔“ جبار فریدی کی تیوریاں چڑھ گئیں غصہ میں اس کی  
زبان ہکھلانے لگی۔ سامنے کی میز پر چھ گھنٹیاں نصب تھیں۔  
داہنی طرف تین اور فریدی کے بائیں جانب تین۔ غصے کی  
حالت میں اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف لگی ہوئی تیسری  
گھنٹی پر زور سے ہاتھ مارا۔ گھنٹی کی آواز کے ساتھ ہی ایک  
تندرست و توانا مسلح نوجوان کمرے کے اندرونی دروازہ کو  
کھول کر اندر داخل ہو کر ادب سے بولا۔

”سر کیا حکم ہے۔“

”ٹارزن! اس آدمی کی طرف دیکھو“ اسے اچھی طرح  
پہچان لو۔“ جبار فریدی نے میجر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے  
کہا۔ ٹارزن نے بھرپور نظروں سے میجر کو دیکھا اور میجر نے  
اس کو بغور دیکھا وہ چھ فٹ چار انچ کے قریب لمبا تڑنگا شخص

تھا جس کی فولادی بانہوں کی مچھلیاں نمایاں دکھائی دے رہی تھیں، اس نے سوئٹر نما سیاہ قمیص پہن رکھی تھی اس کے کان مڑے ہوئے تھے اور سر گھٹا ہوا تھا۔ گلے میں کالسی کا ایک کنٹھا پڑا ہوا تھا۔ روزی اور نشی بھی اس بھاری بھر کم ٹارزن کو بغور دیکھ رہی تھیں۔ موقع کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے اپنے ہینڈ بیگ کھول کر اپنے ہاتھ ریو الوروں پر رکھ لئے تھے۔ دھتتا "جبار فریدی کی آواز کانوں سے ٹکرانی وہ ٹارزن سے کہہ رہا تھا۔ "ٹارزن اگر تمہیں یہ شخص دوبارہ دکھائی دے تو اسے تم پہچان لو گے؟"

"ضرور پہچان لوں گا۔"

"جاؤ ٹارزن۔"

ٹارزن چلا گیا تو جبار فریدی نے میجر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ آپ جلد سے جلد سیلگام چھوڑ دیں اور فیض پور چلے جائیں، ٹارزن آپ کو یہ غور دیکھ چکا ہے میں اس سے جو کچھ کہتا ہوں اسے وہ یقینی طور پر پورا کر دیتا ہے اور میں نہیں جانتا۔۔۔ کہ وہ کس طرح پورا کرتا ہے۔ آپ کو یہ اور بتا دوں کہ آج تک اس نے مجھے شکایت کا موقع کبھی نہیں دیا۔ میرا ہمدردانہ مشورہ یہی ہے کہ آپ شہر میں رہے تو اس کے لئے آپ خود ذمہ دار ہیں بعد میں مجھے کچھ نہ کہیں، میں نے وقت سے پہلے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔"

جبار فریدی کی گفتگو سن کر میجر عابدی کا خون کھول گیا لیکن دور اندیشی کے تحت وہ وہاں سے چل پڑے، جب وہ تینوں ہال سے گزرنے کے لئے پہنچے تو ٹارزن خلاف توقع حملہ کرنے کی پوزیشن میں کھڑا تھا۔ میجر کو دیکھتے ہی اس کی بانہیں کھل گئیں اور وہ کشادہ بانہوں کو پھیلائے میجر کی طرف بڑھا۔ اسے اس پوزیشن میں دیکھ کر میجر بالکل نہیں گھبرایا وہ اپنی جگہ بے فکر اور مطمئن تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس طرح گئے بھاری بھر کم آدمی سے کس طرح نمٹا جاتا ہے۔ جیسے ہی ٹارزن نے جھک کر میجر کو پکڑنے کی کوشش کی، روزی اور نشی نے اپنے اپنے ریو الور اس کی سمت تان لئے۔ میجر نے انہیں گولی چلانے سے منع کیا اور اسی لمحے پھرتی سے ایک سمت کو ہٹ گیا۔ ٹارزن اپنے بھاری بھر کم بوجھ پر قدر جھکا ہوا تھا موقع غنیمت جان کر میجر نے ایک بھر پور لات اس کی پشت پر اچھل کر ماری۔ وار بھر پور تھا ٹارزن ایک کٹے ہوئے تنے کی مانند آگے کی سمت منہ کے بل دھڑام سے گر گیا۔ منہ کے بل گرنے سے ٹاک کی راہ خون بہہ نکلا۔ اس نے اپنے بستے ہوئے خون کو اپنی آستین سے پوچھا اور غصے میں شیر کی مانند دھاڑتا ہوا اٹھ کر دوبارہ میجر کی طرف بڑھا، میجر اطمینان

سے بجلی کے آہنی کھمبے سے لگا کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر ٹارزن پہلے ہی کی طرح جھک کر میجر کی طرف حملہ کی نیت سے دوڑا میجر اس کے عمل سے اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ اب کی مرتبہ اپنے سر سے اس پر وار کرے گا۔ ٹارزن جب اپنی پوری طاقت سے میجر کی طرف بڑھا تو دھتتا "میجر آہنی کھمبے سے ہٹ گیا۔ ٹارزن اپنے پورے زور سے حملہ آور ہوا تھا اس کا سر کھمبے سے ایک دھماکہ کرتا ہوا ٹکرایا۔ ضرب کاری بھی جس کو برداشت نہ کر پانے کی صورت میں وہ دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ تب ہی ہلکے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ہال میں مسٹر جبار فریدی پہنچے اور غصے سے بولے۔ "یہ تو فیس ٹارزن میں نے تجھ سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تو ابھی اس شخص پر حملہ کر دے۔"

ٹارزن نے فریدی کو کوئی جواب نہیں دیا وہ ساکت ایک طرف پڑا تھا دراصل وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اینگلو انڈین لڑکی اور صدر دروازہ پر تعینات تندرست و توانا آدمی کبھی ٹارزن کو دیکھتے تو کبھی میجر کو دیکھتے وہ دل ہی دل میں اس کی بہادری کی داد دے رہے تھے۔ اس تندرست و توانا آدمی نے اینگلو انڈین لڑکی کی میز پر سے ایک کارڈ اٹھایا اور اس کی پشت پر جلدی جلدی کچھ لکھا۔ میجر عابدی، روزی اور نشی جب صدر دروازے میں سے گزرنے لگے تو اس شخص نے وہ کارڈ ادھر ادھر دیکھ کر میجر کے ہاتھ میں تھما دیا۔ میجر نے وہ کارڈ آہستگی سے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ برآمدے سے نکل کر اس نے اس کارڈ کو پڑھا، کارڈ کی پشت پر لکھا تھا کہ میں آج شام ساڑھے سات بجے "نشاط" ریسٹوران میں آپ کا انتظار کروں گا۔ نیچے کی لائن میں انجم زیدی تحریر تھا۔ میجر نے کارڈ پڑھ کر اپنی جیب میں دوبارہ رکھ لیا۔ شام کے سات بجنے میں ابھی پورے دو گھنٹے تھے۔ اپنی رہائش گاہ "ٹیپو سلطان ہوٹل" پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے ہوٹل کی ریسپنڈنٹ لڑکی سے نشاط ریسٹوران کا پتا معلوم کیا۔

پونے سات بجے اختر، نشی، روزی اور شوبی کے ساتھ ارشد کو بھی نشاط ریسٹوران کے باہر نگرانی کرنے کے لئے بھیج دیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنے ساتھ کرو کوڈا کل کو بھی لیتے جائیں۔ سات بجے میجر عابدی ارشد کی کار میں "نشاط ریسٹوران" کی طرف چل پڑا۔ مختلف راستوں سے گزرتا ہوا وہ ٹھیک ساڑھے سات بجے ریسٹوران پہنچ گیا۔ تمام راستے وہ یہی سوچتا آیا تھا کہ انجم زیدی، جبار فریدی اور اس کے خاندان سے اکتایا ہوا ہے۔ میجر کی پھرتی اور طاقت کو دیکھ کر وہ ضرور متاثر ہوا ہے وہ یقیناً کسی راز سے واقف



”میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہاں جانے کے پیچھے ان کا کیا مقصد پوشیدہ ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ضعیفہ پر منگل اور ستیج کے دن ایک گہرے رنگ کی پوٹلی اس جوگی کے پاس لے جاتی ہیں اور ان کا یہ عمل میں سات سال میں برابر دیکھتا چلا آرہا ہوں۔ لیکن اس طویل عرصہ میں یہ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کیا لے کر جاتی ہیں۔ سات سال کے طویل عرصہ سے میں برابر ان کو لے کر جاتا ہوں حالانکہ وہ اور ڈرائیور کو بھی لے کر جاسکتی ہیں مجھے لگتا ہے کہ اس بات کے پیچھے کوئی راز ہے اور وہ ضعیفہ کی اور ڈرائیور کو لے جانے کر راز فاش کرنا نہیں چاہتیں۔ اتنی مدت مجھے لے جانے کے پس پشت یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ اس راز کو کسی اور پر افشا نہیں کرنا چاہتیں اور یہی سبب ہے کہ وہ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتیں۔“

”اوہ۔ میں سمجھا۔ مسٹر انجم! کیا کل آپ مجھے اس غار کے پاس لے جاسکتے ہیں؟“ میجر نے پوچھا۔

”ضرور۔۔۔ لیکن آپ کو منہ اندھیرے چلنا ہوگا۔ اس لئے کہ کل منگل ہے اور مجھے رضیہ فریدی آٹھ بجے وہاں لے جائیں گی۔“

”پھر تو مجھے جوگی کے پاس لے جانے کی آپ کو ضرورت نہیں میں خود ہی آپ کا تعاقب کروں گا۔“

”یہ تو اور بھی اچھا رہے گا۔“ انجم زیدی نے کہا۔

”مسٹر انجم! میرے ایک سوال کا آپ اور جواب دیں اس نے ناظم کا حلیہ بنا کر اس سے پوچھا۔ ”کیا اس حلیہ کا کوئی نوجوان مسٹر جبار فریدی سے کبھی ملنے تو نہیں آیا؟“

”بچھلے سات دنوں میں دو مرتبہ جاپانی کار میں آیا تھا۔“

”میجر عابدی کو یہ جان کر یقینی خوشی ہوئی، انجم نے جاپانی کار کی وضاحت کر کے اس بات کی تصدیق کر دی کہ وہ ناظم ہی تھا۔“

”وہ نوجوان کس سے ملنے آیا تھا؟“

”مسٹر جبار فریدی سے، لیکن بچھلے تین دنوں سے وہ دکھائی نہیں دیا۔“

”اس نوجوان کو مار ڈالا گیا ہے۔“

”اس نوجوان کو مار دیا گیا۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ، یقین نہیں آتا۔ آخر کیوں؟“ انجم زیدی نے حیرانگی سے کہا۔

”یہی تو ہم جاننے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ آپ کے مالک کا بیان ہے کہ وہ اسے جانتے تک نہیں۔“ عابدی بولے۔

ہے اب وہ راز فاش کرنا چاہتا ہے، وہ مجھے اس راز سے واقف کرانے کے لئے آنا چاہتا ہے۔ میجر نے اپنی کار پارک کی اور رستوران میں چلا گیا۔ رستوران میں انجم زیدی پہلے ہی سے موجود تھا۔ اس نے اٹھ کر میجر عابدی سے مصافحہ کیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ”میں آپ کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں میرے ایک دوست ہیں جو آپ سے بخوبی واقف ہیں۔ مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ آپ نے اس ظالم انسان ”ٹارزن“ کی خوب مرمت کی اور یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اسے اپنے اوپر بڑا گھمنڈ تھا اور حقیقت بھی ہے کہ اس سے پہلے وہ مارتا ہی آیا تھا آج آپ نے ہی اسے مارا ہے۔“

”مسٹر انجم زیدی! آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟“ میجر نے پوچھا۔

”زیدی نے میرے کو کافی اور سینڈو چرلانے کا آرڈر دیا اور پھر کہا۔ ”میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں جبار فریدی کی خاندانی نوکری سے کس طرح پیچھا چھڑاؤں اب سے پہلے میں دو مرتبہ ملازمت چھوڑ کر فرار بھی ہوا لیکن پھر اس کے ساتھی اور وہ کبخت ٹارزن مجھے پکڑ لائے اور مجبوراً ”مجھے نوکری کرنا پڑی۔ میں بے حد پریشان ہوں“ ازراہ ہمدردی میری مدد کیجئے۔“

”وہ آپ کو چھوڑتے کیوں نہیں؟“

”مسٹر فریدی تو شاید میری پروا نہ کریں لیکن ان کی ضعیف العمرچی رضیہ فریدی مجھے نہیں چھوڑتیں، میں بظاہر ایک مسلح محافظ ہوں لیکن درپردہ ان کا کارڈرائیور بھی۔ وہ مجھے ہفتہ میں دو مرتبہ ”غار والے بابا کے پاس لے جاتی ہیں اس غار والے جوگی کے پاس وہ بغیر نامہ کئے ہر ہفتے جاتی ہیں۔“

”غار والا جوگی۔۔۔ وہ کون ہے؟“

”میں نہیں جانتا وہ کون ہے۔ میں نے ہر بار اسے دور سے ہی دیکھا ہے کیونکہ میری کار اس کی کتیا تک نہیں جاسکتی اور میں کار کے پاس کھڑے ہو کر ہی اسے دیکھ لیتا ہوں۔ دوری کی وجہ سے اس کا حلیہ بھی صحیح نہیں بتا سکتا۔ شاہراہ اقبال سے نکل کر مغرب کی سمت ایک پہاڑی ہے اس پہاڑی کے دامن میں ایک غار ہے۔ جس میں وہ جوگی رہتا ہے۔ جس کے متعلق قرب وجوار میں کافی شہرت پائی جاتی ہے۔“

”مسٹر رضیہ فریدی اس غار والے جوگی کے پاس کیوں جاتی ہیں؟“

”مسٹر انجم زیدی، کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ مسٹر جبار فریدی نے والٹن انگریز سے اس کا کلب کیوں خریدا تھا؟ کیا والٹن کی بیوی نے فریدی کے لئے خودکشی کی تھی؟ اور فریدی نے پریشان حال والٹن کو منہ مانگی رقم دے کر اس کا کلب ”سوٹ ہارٹ“ خرید لیا تھا؟“

”والٹن کی مسز گریس کے بارے میں بہت سی افواہیں ہیں کوئی کہتا ہے کہ اس نے خودکشی کی اور کچھ کا خیال یہ ہے کہ اس کو قتل کیا گیا لیکن قاتل کا تاہنوز کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ لیکن پچھلے دنوں میں نے ایک عجیب بات دیکھی۔“

”کیا عجیب و غریب بات دیکھی آپ نے؟“ میجر نے دلچسپی سے پوچھا۔

”کچھ دن ہوئے میں نے والٹن کی مسز کو دیکھا تھا جب میں مس تنیم فریدی کو ان کے عزیز کے یہاں لے جا رہا تھا کہ یکایک میری نظر مسز گریس پر پڑی، مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں ہوا کہ مری ہوئی عورت کس طرح زندہ ہو سکتی ہے لیکن جب مس تنیم فریدی بھی اسے دیکھ کر حیران ہوئی تو مجھے اس بات کا پختہ یقین ہوا کہ وہ والٹن کی بیوی مسز گریس ہی ہے۔ ویسے شہر میں کافی عرصہ سے یہ افواہ گردش کر رہی تھی کہ مسز گریس کا بھوت شہر میں منڈلاتا رہتا ہے۔ لیکن وہ بھوت نہیں بلکہ ایک حقیقت اور چلتی پھرتی زندگی تھی۔“

انجم زیدی کی اس بات پر میجر عابدی کو تعجب ہوا انہیں یقین ہی نہیں آیا انہوں نے اسے تنیم اور انجم کا وہم ہی سمجھا وہ اب تک اپنے اس یقین پر جمے ہوئے تھے کہ وہ مسز گریس نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی ہم شکل کوئی اور خاتون ہوگی۔

میجر کا اپنا مقصد پورا ہو چکا تھا اس نے انجم زیدی کو بھروسہ اور یقین دلاتے ہوئے کہا کہ ”اگر یہ تمام فتنے فریدی اور اس کے خاندان سے اٹھتے ہیں تو میں بہت جلد آپ کو اس ازیت سے چھٹکارا دلا دوں گا۔“ انجم زیدی کا چہرہ خوشی سے تھما گیا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے برسوں کا بوجھ اس کے کندھوں سے اتر گیا ہو۔ اس نے تشکرانہ نظروں سے میجر کو دیکھا۔ عابدی بل کی ادائیگی کے فوراً بعد انجم زیدی سے اجازت لے کر نشاط رستوران سے باہر آگیا۔

میجر عابدی نے جاتے وقت ایک سیاہ رنگ کی لمبی کیڑ لاک کار کو سڑک کے کنارے کھڑا دیکھا تھا اور اس کار کو شوبی اور ارشد نے بھی دیکھا تھا جس میں ایک مرد اور ایک عورت بیٹھے ہوئے تھے۔ عورت پچھلی سیٹ پر اور مرد اگلی

”میں خوب جانتا ہوں میرا مالک ایک عیار اور چالاک آدمی ہے۔ اس نے چار شادیاں کرنے کے بعد بھی حال ہی میں مشہور فلمی رقاصہ مہ جبین سے شادی کی ہے اس شادی کو ہوئے دو سال بیت چکے ہیں۔ مہ جبین بے حد مکار عورت ہے اس نے آتے ہی گھر پر اپنا قبضہ جمالیا ہے ایک سال کا عرصہ گزرا جبار فریدی کی لڑکی تنیم فریدی کو اس مکار عورت کے برتاؤ سے تنگ آکر گھر چھوڑنا پڑا۔ میجر صاحب آپ نے تنیم فریدی کو دیکھا نہیں وہ بے انتہا خوبصورت لڑکی ہے اتنی خوبصورت کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہے۔ یوں سمجھئے بس قدرت کا حسین شاہکار ہے۔“

”لیکن مہ جبین نے ایسا کیوں اور کس لئے کیا؟“

”وہ اس لئے کہ جب بھی کوئی پارٹی ہوتی تھی تو آنے والے تنیم کی تعریف کرتے، لوگوں کے اس برتاؤ سے وہ حسد کی آگ میں جل بھن جاتی، بغض و عناد کی آگ نے ان بن کی صورت اختیار کر لی، وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی صورت سے جلنے لگیں اور آخر بے چاری تنیم فریدی نے اس مکار مہ جبین سے ہار مان کر اپنے والد کے اس بنگلے کو چھوڑ کر باپ کے دوسرے بنگلے میں رہائش اختیار کر لی۔“

”وہ بنگلہ کہاں ہے؟“

”کالج روڈ پر بنگلہ نمبر ۲۵ جس دن سے جبار فریدی کی لڑکی بنگلہ چھوڑ کر گئی ہے وہ بے حد اداس و رنجیدہ رہتے ہیں، ہر وقت یاسیت کے عالم میں ڈوبے رہتے ہیں لیکن مجبور ہیں مہ جبین ان کے اوپر حاوی ہے وہ اس کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔“

”کیا مہ جبین اور فریدی میں بنتی ہے یا جھگڑا رہتا ہے؟“

”مسز فریدی سے کسی کی نہیں بنتی وہ بے انتہا مغرور عورت ہے اور نوجوان و خوبصورت بھی، اسے فریدی سے قطعی دلچسپی نہیں وہ اپنی دلہنسی کا سامان کہیں اور تلاش کر لیتی ہے۔ آج کل ایک بنگالی نوجوان ندیم سے اس کی دوستی ہے، حالانکہ ندیم کوئی خوبو نہیں۔ معمولی شکل و شباہت کا جسیم نوجوان ہے۔“

”کیا تم جانتے ہو کہ وہ بنگالی نوجوان ندیم کہاں رہتا ہے؟ اور کیا کرتا ہے؟“

”نہیں، میں نہیں جانتا۔ وہ فریدی کے بنگلے میں نہیں آتا بلکہ مہ جبین ہی اس سے ملنے کے لئے ”عشرت کلب“ جاتی ہے مجھے ایک دو بار کار ڈرائیو کرنی پڑی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ فریدی کے بنگلے کے آس پاس ہی کہیں رہتا ہے۔ ہمیشہ قریب سے ہی کار میں آکر بیٹھا ہے۔“

سیٹ پر بیٹھا تھا۔ عورت کی بغل میں کوئی جھکے ہوئے انداز میں بیٹھا تھا غالباً ”وہ کوئی کتا تھا جس کے گلے میں زنجیر کا سرا اس کے ہاتھ میں تھا۔“

☆

سیاہ کیدلاک کار جس جگہ کھڑی تھی وہ جگہ سنان اور ویران تھی۔ ”وہ ابھی تک ادھر سے گزرا کیوں نہیں؟“ عورت نے کار میں بیٹھے ہوئے مرد سے سوال کیا۔ مرد تندرست و توانا دکھائی دے رہا تھا۔ عورت اوپر کوٹ پہنے ہوئے تھی اس کے سیاہ گھنگھریالے بال ایک گلدستہ کی مانند بندھے ہوئے تھے اس کی آنکھیں چمکدار تھیں چہرہ پر میک اپ کی دبیز تہہ جمی ہونے کی وجہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ جوان ہے یا ادھیڑ۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تنہا آدمی شو فر کی یونیفارم پہنے ہوا تھا۔ اس عورت کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ”وہ آئے گا اور ضرور آئے گا اس کے علاوہ اس کی واپسی کا اور کوئی راستہ نہیں۔“ کار میں بیٹھی ہوئی عورت نے پیچھے سے تھرماس اٹھا کر تھوڑی سی کافی انڈیل کر گلاس اپنی بائیں جانب بڑھا دیا۔ ایک بڑے ناخن اور لمبی لیکن پتلی انگلیوں والے ہاتھ نے گلاس تھام لیا اور ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ عورت نے اس ڈراؤنے ہاتھ سے خالی گلاس لے کر دوبارہ کافی سے بھر دیا بھیانک ہاتھ نے دوبارہ گلاس تھاما اور فوراً ہی پی کر خالی کر دیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے مڑ کر دیکھا اور بولا۔ ”وہ آ رہا ہے۔“

سنان سڑک پر ایک آدمی بجلی کے کھمبے کی روشنی میں نکل کر اندھیرے کی جانب آ رہا تھا۔ اس عورت نے اسے آتا دیکھ کر اپنی دائیں جانب کا دروازہ کھول دیا اور بائیں بازو پر بندھا زنجیر کا پٹہ اتار کر ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے ”کئی“ کو کار سے باہر کھینچا۔ کار سے کتا نہیں ایک گوریلا نکلا جس کی کمر میں چمڑے کا ایک چوڑا پٹہ بندھا ہوا تھا۔ عورت نے اس عجیب الخلق شے کو ذرا سادھ لیا اس کی پیٹھ پر تھپکی دی۔ وہ گوریلا سڑک پر دوڑنے لگا۔ اس کی آنکھیں لمبی کی آنکھوں کی مانند چمک رہی تھیں جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اس کو اندھیرے میں دیکھنے کی عادت ہے۔ اندھیرے میں آتے ہوئے آدمی نے گوریلے کو دیکھا تو وہ اس طرح چیخ پڑا جیسے کسی نے تیز چھری سے اس کا گلا کاٹ دیا ہو۔ اس کی چیخ ابھی پوری طرح نکلی بھی نہ تھی کہ اس کے کندھے پر ایسی چوٹ پڑی جیسے کسی نے بھاری ہتھوڑا دے مارا ہو، ضرب کی آواز سے بالکل ایسا لگا جیسے

تعلیم بالغان کے ایک طالب علم کو اسکول کا نوٹس ملا جس میں لکھا تھا تم تین راتوں سے

غیر حاضری ہو۔ براہ کرم اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کرو۔ طالب علم نوٹس پڑھ کر گھبرایا اور جلدی سے اسکول پہنچا اور پرنسپل کے پاس جا کر بولا: جناب امیری حاضری چیک کی جلتے ہیں ایک رات بھی غیر حاضری نہیں رہا پھر یہ تین راتوں کی غیر حاضری کا نوٹس میرے نام کیوں جاری ہوا؟

پرنسپل کے کہنے پر کلرک نے ریکارڈ چیک کیا اور طالب علم کی حاضری ثابت ہو گئی۔ استاد نے طالب علم سے مندرت کرتے ہوئے کہا: مجھے بہت افسوس ہے غلطی سے نوٹس آپ کے نام جاری ہو گیا۔ اس سلسلے میں پرنسپل سے بات کر کے غلطی دور کرادوں گا۔ طالب علم نے کہا: جناب ”مجھے پرنسپل کی کوئی فکر نہیں لیکن ذرا یہ تو بتائیے کہ اب میری بیوی کو کون سمجھائے گا؟“



بڑی ٹوٹی ہے۔ وہ یکایک پیچھے کی طرف گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

چارفٹ آٹھ انچ کے قد والے گوریلے بونے نے اس بے ہوش آدمی کو اپنے کاندھوں پر اس طرح ڈال لیا جیسے وہ آدمی نہ ہو ایک ہلکا پھلکا تھپلا ہو، اپنے کاندھوں پر اٹھا کر گوریلا بونا کار تک لے آیا۔ اس عورت نے بونے سے کہا۔ ”اسے زمین پر لٹا دو۔“ بونے نے اسے زمین پر لٹا دیا۔ پھر اس عورت نے بونے سے کہا۔ ”ہم کار لے کر آگے جا رہے ہیں تم یہیں کھڑے رہو، تم جانتے ہو نا کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟“

بونے نے گردن ہلا دی اور بے ہوش آدمی کی جیبوں سے چیزیں نکال کر اپنی جیبوں میں بھرنے لگا۔ سیاہ رنگ کی لمبی کیدلاک کار آگے چلی گئی۔

بونا سڑک کے کنارے کھڑا انتظار کرتا رہا۔ ایک کار آئی اور گزر گئی، دوسری آئی اور چلی گئی۔ کچھ ہی منٹ بعد بونے نے بجلی کی روشنی میں دور سے آتے ہوئے ٹرک کو دیکھا، ٹرک کو آتا دیکھ کر جلدی سے اس نے بے ہوش آدمی کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا جب ٹرک قریب آتا دکھائی دیا تو وہ سڑک کے درمیانی حصہ میں جا کر کھڑا ہو گیا جوں ہی ٹرک اس کے پاس آیا اس نے اس بے ہوش آدمی کو تیزی سے



انداز کرتے ہوئے پوچھا۔  
”میرے تھانے میں۔“

”میں آرہا ہوں۔“ میجر نے کہا اور ریسور کریڈل پر رکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”خاندان فریدی کے مسلح محافظ و ڈرائیور انجم زیدی کو کل رات مار دیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جو کس نہیں رہے، دشمن اپنا وار کر گیا، یقیناً کسی نے اس کا نشاط رستوران تک تعاقب کیا ہے۔“

”جی نہیں، ہم نے کسی بھی مشکوک آدمی کو رستوران کے ارد گرد نہیں دیکھا۔“ آخر نے پر یقین ہو کر کہا۔

”وہ کاسہ سیاہ لمبی کیڈلاک کار۔ جس میں ایک مرد اور ایک عورت بیٹھے کافی پی رہے تھے ہونہ ہو وہی انجم زیدی کے انتظار میں تھے۔“ شوہی نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

”تمہارا خیال درست ہے شوہی۔ اس مشکوک عورت کی ہی بغل میں کوئی چھپ کر بیٹھا ہوا تھا شاید وہ کوئی گوریلا تھا۔ گزشتہ شب اس کے اور انجم زیدی کے درمیان جو بات چیت ہوئی تھی میجر نے اپنے ساتھیوں کو سنائی۔ اور فوراً ہی ہوٹل کے میجر سے اپنے لئے کار کا بندوبست کرایا۔ گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے میجر نے کہا کہ اس وقت چھ بجے ہیں میں انسپکٹر مسعود کے تھانہ میں جا کر زیدی کی شناخت کرنے کے بعد گھنٹہ بھر میں آرہا ہوں تب تک تم سادھوؤں اور ان کی عورتوں کا میک اپ کر کے شاہراہ اقبال کے پیچھے کچھ دور چل کر پہاڑی کے دامن میں اپنا پڑاؤ ڈال لو جیسے تم نے رات گزارنے کی غرض سے پڑاؤ ڈالا ہے۔ آج جبار فریدی کی چچی گیسوے رنگ کی پوٹلی لے کر اس غار والے جوگی سے ملنے جائے گی۔ انجم زیدی ڈرائیور کو تو مار دیا گیا ہے اس لئے وہ بوڑھی عورت اکیلی ہی جائے گی میں اس کا تعاقب کروں گا اور تم سب پتھر پٹی پہاڑی کے اوپر اس کی نگرانی کرو گے۔ اپنے ساتھیوں کو یہ ہدایتیں دے کر میجر عابدی انسپکٹر مسعود کے تھانے کی طرف چلا گیا۔

انسپکٹر مسعود نے میجر عابدی کا خیر مقدم کیا اور فوراً ہی اسے مردہ شخص کی لاش دکھائی، میجر پہچان گیا وہ زیدی ہی تھا۔ میجر لاش کو بہ غور دیکھ رہا تھا کہ اسی لمحے انسپکٹر نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ ڈرائیور کو وہم ہوا ہے اور اس کا یہ خیال غلط ہے کہ ایک بہت بڑے بندر نے اسے ٹرک کے آگے پھینکا بلکہ یہ شخص از خود ٹرک کی زد میں آگیا یا ٹرک ڈرائیور اپنی غلطی کو کسی بندر کے سر تھوپ رہا ہے۔“ اس نے میجر سے پوچھا۔ ”کیا آپ مرحوم سے واقف ہیں؟“

”نہیں۔“ میجر نے اپنی بات چھپائی۔

آتے ہوئے سڑک کے اگلے پہنے کے آگے بالکل اس انداز سے پھینک دیا جیسے گولا پھینکنے والا وزنی گولا پھینک دے۔ بے ہوش آدمی کو ٹرک کے آگے پھینک کر وہ خود تیزی سے ایک جانب ہٹ کر اندھیرے میں گم ہو گیا۔ اور پھر بجلی جیسی تیزی کے ساتھ آگے کھڑی سیاہ کیڈلاک کار کے پاس پہنچ گیا اس کے پیچھے ہی کار کا دروازہ کھلا اور کار فرارے بھرتی ہوئی تیزی سے آگے چلی گئی۔

☆

اگلے دن صبح ہی میجر عابدی نے فون کر کے انسپکٹر مسعود سے پوچھا کہ ان دونوں مشکوک عورتوں کا کچھ پتا چلایا نہیں؟ انسپکٹر نے بتایا کہ ”ابھی نہیں لیکن کل رات ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا ہے۔“

”کیا؟“

”کل رات ایک بہت بڑے بندر نے ایک شخص کو تیزی سے آتے ہوئے ٹرک کے سامنے پھینک کر بری طرح کچلوا دیا۔“

”بہت بڑے بندر نے۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟“ میجر نے کہا۔

”ٹرک ڈرائیور کا یہ ہی کہنا ہے کہ ایک بہت بڑے بندر نے اس کے ٹرک کے آگے ایک شخص کو پھینکا۔ ٹرک کی زد میں آکر اس کا چہرہ اور بدن بری طرح کچل گئے ہیں جس کی وجہ سے اس کی شناخت بھی مشکل ہے اس کے کپڑوں سے بھی کسی قسم کی کوئی چیز نہیں برآمد ہوئی جس سے اس کا پتا چل سکے۔“

”یہ حادثہ کہاں ہوا؟“

”ہائی وے جانے والی سڑک پر۔“ انسپکٹر مسعود نے جواب دیا۔

”ہائی وے جانے والی سڑک کا نام سن کر میجر چونک پڑا“ اس نے جلدی سے پوچھا۔ ”انسپکٹر ٹرک کی زد میں آنے والے شخص کا لباس کیا ہے۔“

”وہ دھاری دار مولی سوتی چٹون پہنے ہوئے تھا اور پیروں میں فل بوٹ ہیں“ اس کے کوٹ میں چار جیب ہیں دو اوپر اور دو نیچے، قمیص کے کالر میں اس نے بولگار رکھی ہے۔“

”کیا یہ بات آپ یقین سے کہہ رہے ہیں کہ اس کا لباس یہی ہے؟“

”جی ہاں۔ کیا آپ اس شخص سے واقف ہیں۔“ انسپکٹر مسعود نے کہا۔

”لاش کہاں ہے۔“ عابدی نے اس کے سوال کو نظر

پولیس اسٹیشن سے نکلنے کے بعد میجر، فریدی خاندان کے بنگلے کی طرف چلا وہ ٹھیک پونے آٹھ بجے بنگلے کی پشت پر پہنچ گیا تھا اس نے ساڑھے آٹھ بجے تک انتظار کیا لیکن کوئی ضعیفہ یا کوئی کار بنگلے سے باہر نہیں آئی۔ آخر مجبوراً وہ شاہراہ اقبال کی طرف چل دیا۔ اس کے پاس شہر کا نقشہ تھا اس لئے اسے شاہراہ اقبال تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

اس نے سادھوؤں کے پڑاؤ کے پاس پہنچ کر اپنی کار سڑک کے کنارے کھڑی کرنے کے بعد سادھوؤں کے گروہ میں پہنچ گیا۔ اسے یہ دیکھ کر اطمینان اور خوشی ہوئی کہ اس کے تمام ساتھیوں کا میک اپ بڑا شاندار تھا۔ شوہی نے اسے بتایا ابھی تک تو کوئی عورت آئی نہیں۔

”مسز رضیہ فریدی اپنے بنگلے سے نکلی ہی نہیں۔“ میجر نے کہا۔ ”تم سب اپنا سامان اٹھاؤ اور چلو چل کر جوگی کے غار کو ڈھونڈیں۔“

وہ سب غار کی تلاش میں چل پڑے۔ کافی دوڑدھوپ کے باوجود کہیں بھی غار کا پتا نہیں چلانا کام ہو کر واپس ہی ہونا چاہتے تھے کہ اچانک نشی کی نظر اس راستے پر پڑی جو دو بڑے پتھروں کے درمیان سے جا رہا تھا یہ راستہ اس قدر تنگ اور چھوٹا تھا کہ ایک ہی وقت میں ایک آدمی گزر سکتا تھا یا پھر لائن بنا کر آگے پیچھے گزر سکتے تھے۔ مجبوراً وہ ایک ایک کر کے اس تنگ راستے پر چل پڑے۔ وہ راستہ ایک غار تک پہنچ گیا غار میں اندھیرا تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ کچھ دکھائی نہ دے پھر بھی اختر نے اپنی جیب سے سگریٹ لائٹر نکال کر روشنی کر دی۔

اس بڑے غار میں جوگی کا کہیں پتا نہیں تھا لیکن غار میں مین کے چھوٹے بڑے ڈبے سلیقے اور ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ پاس ہی کونے میں ایک پلیٹ اور دو سفید جگ رکھے ہوئے تھے۔ دوسرے کونے میں ایک بڑا گھڑا رتی اور ایک بالٹی رکھی ہوئی تھی۔ تیسرا کونہ بہت ہی صاف ستھرا تھا جس کے درمیان ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی اور اسی چٹائی پر بتلی سی درمی میں لپٹا ہوا ایک بستر رکھا تھا۔ غار میں چائے، چینی اور نمک بھی الگ الگ ڈبوں میں تھے۔ اس کے علاوہ دو کھوٹیاں دیوار میں لگی ہوئی تھیں ایک کھوٹی پر تولیہ اور دوسری پر چڑے کا ایک مضبوط اور لمبا تسمہ لٹکا ہوا تھا جس کے ایک سرے کا گول گچھا بنا کر کھوٹی پر لٹکا دیا گیا تھا اور دوسرا سر دیوار کے ساتھ ساتھ دو سری دیوار تک چلا گیا تھا اور وہاں مین کے ڈبوں پر لٹکا ہوا تھا۔ اس کھوٹی کے نیچے

ایک صابن دانی رکھی تھی لیکن اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود پہننے کا ایک بھی کپڑا نہیں تھا۔ شاید جوگی صرف لنگوٹی سے ہی کام چلاتا ہو۔ اینٹوں کے کچے چبوترے پر جو دو پلیٹیں رکھی تھیں اس میں صرف چاقو تھا لیکن کھانے کا کانا نہیں تھا۔ میجر پلیٹ میں چھری با کر اور کانا نہ دیکھ کر سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا تھا کیونکہ وہ اپنے ہونٹ گول کر کے سیٹی بجانے لگا پھر اس نے کوٹ کی جیب میں سے سگار نکال کر اسے جلا لیا۔ سگار کے پے درپے طویل کش لگانے کے بعد اس نے روزی سے کہا۔ ”روزی“ اس پلیٹ کی چھری اٹھا کر احتیاط سے اپنے بیگ میں رکھ لو۔ ”روزی نے پلیٹ میں سے چھری اٹھا کر بیگ میں رکھ لی۔

”میجر نے دوبارہ لائٹر جلا کر ڈبوں کو دیکھا“ اس نے یکے بعد دیگرے تین چار ڈبوں کو بغور دیکھا پھر دوبارہ تمام مین کے ڈبوں کو دیکھ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس غار میں رہنے والا کوئی جوگی ہرگز نہیں بلکہ ایک ایسا شخص ہے جسے گوشت، مچھلی، ہیم، بیکن اور مٹر مرغوب ہیں اور جسے کانٹے اور چھری سے کھانے کی عادت ہے۔ ان تمام چیزوں سے جوگی کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔“

”کیا جوگی کے بھی میں کوئی صاحب ہے؟“ شوہی نے کہا۔

”بہت ممکن ہے۔“ میجر نے کہا۔ ”بہر حال وہ کوئی اور تھا جوگی نہیں تھا جس کے لئے مسز رضیہ فریدی گہرے تھیلے میں رکھ کر بند کھانے کی چیزوں کے ڈبے لایا کرتی تھیں۔ مرحوم انجم زیدی کے بیان کے مطابق یہاں جو بھی رہتا تھا اس کا قیام اس جگہ عرصہ سات سال سے ہے۔ شاید وہ ایک طویل عرصہ سے یہاں چھپا ہو اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مسز رضیہ فریدی اسے یہاں چھپ کر رہنے میں مدد کیوں کر رہی ہے؟ اور اس وقت وہ جوگی یہاں کیوں نہیں ہے؟“

میجر نے اپنی بات دوبارہ شروع کی۔ ”اس غار کے آثار بتا رہے ہیں کہ یہاں جو آدمی رہتا تھا وہ اب واپس یہاں نہیں آئے گا آؤ یہاں سے واپس چلیں لیکن پھر بھی احتیاطاً“ روزی اور اختر کو کچھ دیر یہاں رہنا پڑے گا شاید اس غار میں رہنے والا واپس آجائے اس کا انتظار کرنے کے علاوہ ان دونوں کو ایک کام اور بھی کرنا پڑے گا۔“

”کون سا کام؟“ روزی نے پوچھا۔

”تم دیکھ چکے ہو کہ پلیٹ میں صرف چھری ہے۔ چھری کے ساتھ کانا بھی ضرور ہونا چاہئے تھا، کانا کہاں گیا؟ اور ہمیں یہ بات بھی یاد ہے کہ ناظم کی موت کا سبب بھی کانا ہی

تھا؟ میرا اپنا خیال ہے کہ ناظم اور عفت رحمان کا قاتل یہیں رہتا تھا۔ قتل کرنے کے بعد اگر قاتل کاٹنا اپنے ساتھ لے آیا تھا تو وہ کاٹنا یہیں کہیں ہوگا۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اگر کانٹے کو قاتل اپنے ساتھ لے آیا تو اس نے پھر اسے استعمال کیوں نہیں کیا۔ وہ اسے دھو کر استعمال کر سکتا تھا، خیر چھوڑو اس بحث کو تم اپنی بھرپور کوشش کرو کہ وہ کاٹنا مل جائے۔“

میجر نے کہا اور روزی اور اختر کو وہیں چھوڑ کر اپنے باقی ساتھیوں کے ہمراہ ہوٹل کے لئے چل پڑا۔

میجر اور اس کے ساتھی ٹیپو سلطان ہوٹل میں پہنچے تو اس نے انسپٹر مسعود کو ”رپیشن ہال“ میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ انسپٹر مسعود شوہی اور نشی کو سادھو کے بھیس میں دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔

”کہئے انسپٹر۔۔۔ کس کا انتظار ہو رہا ہے؟“

انسپٹر نے صوفے پر سے اٹھ کر کہا۔ ”میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا؟“

”کیوں؟ خیر تو ہے۔ کیا کوئی نئی بات ہوئی؟“

”نہیں۔۔۔ ہمارے سپرنٹنڈنٹ مسٹر نعیم عرشی آپ سے ملنا چاہتے ہیں اگر آپ اسی وقت چلیں تو عنایت ہوگی۔“

میجر عابدی انسپٹر کے ساتھ چل دیا راستے میں انسپٹر نے پوچھا۔ ”میجر صاحب، صبح ہی صبح آپ کہاں گئے تھے؟ اور آپ کی اسٹنٹ شوہی اور نشی سادھو کے بھیس میں کیوں تھیں؟“

”آپ نے ان دونوں کو کس طرح پہچان لیا؟“

انسپٹر مسکرایا اور بولا۔ ”ان دونوں کی مخصوص ٹھوڑی کی بناوٹ سے۔“

میجر نے انسپٹر کی تیز نظروں کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ کی نظر بہت تیز ہے۔“ مستقبل میں اعلیٰ پولیس افسر بنو گے انسپٹر کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمہارے سپرنٹنڈنٹ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟“

سپرنٹنڈنٹ صاحب کو اپنے متعلق یہ وہم ہے کہ وہ ایک اچھے جاسوس بھی ہیں اسی غلط فہمی کے تحت ان کی خواہش ہے کہ وہ آپ کی مدد کے بغیر تنہا اس کیس کو حل کریں۔“

انسپٹر مسعود نے بتایا۔

ٹھوڑی سی مسافت کے بعد میجر عابدی پولیس سپرنٹنڈنٹ نعیم عرشی کے آفس میں تھا۔ ایس پی عرشی نے کھڑے ہو کر میجر کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ ہاتھ ملانے کے بعد اس نے میجر کو اپنے برابر والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، میجر کے بیٹھنے کے بعد اس نے انسپٹر مسعود کو باہر جانے کا

اشارہ کرتے ہوئے میجر کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی میجر نے ایک بھرپور نظر نعیم عرشی پر ڈالی میجر نے دیکھا عرشی پہاڑ جیسا آدمی تھا اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی کنپٹی کے بال بھی سفید ہو گئے تھے اور ابھی وہ پوری طرح جائزہ نہ لے پایا تھا کہ عرشی کی آواز نے اس کا تسلسل توڑ دیا۔ ”میجر صاحب، میں جانتا ہوں کہ آپ ایک عظیم شہرت یافتہ جاسوس ہیں اور یہ بھی یقین ہے کہ آپ اس کیس کو بہت جلد حل کر لیں گے۔ آپ کی تفتیش اور اس کی کامیابی سے آپ کو یقیناً ”مسرت اور شہرت“ ملے گی لیکن اس کے برخلاف پولیس پر ”نااہلی کا لیبل“ ضرور چسپاں ہو جائے گا۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ ازراہ کرم اس کیس کو ہمیں ہی حل کرنے دیں تو آپ کی عنایت ہوگی۔“

”میں آپ کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈال رہا ہوں۔ آپ شوق سے اسے حل کریں لیکن میری دلچسپی کا سبب صرف اتنا ہے کہ میری اسٹنٹ مس شوہی کے ہونے والے شوہر مسٹر ارشد کے عزیز ترین دوست مسٹر ناظم کے قتل کا معاملہ ہے۔ اس لئے اگر میں نے اس کیس میں ذرا بھی بے پردائی یا کوتاہی برتی تو میری روح کی بے چینی مجھے چین نہ لینے دے گی۔ ویسے میں نے بہت سے قتل کے کیسوں کو حل کیا ہے۔ یہ کیس میرے لئے کوئی نیا نہیں ہے۔“ میجر نے تفصیل سے بتایا۔

”آپ میری درخواست قبول ہی کر لیجئے۔ یہ کیس ہمیں حل کرنے دیجئے۔“

”ضرور کیجئے۔! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میں آپ کے راستے میں کبھی نہیں آؤں گا۔“

”شکریہ بہت بہت شکریہ میجر صاحب، میرا مدعا صرف اتنا ہی تھا۔“

میجر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”میری دلی دعا اور خواہش یہی ہے کہ اس کیس کو حل کرنے میں آپ کو کامیابی ملے۔“

میجر عابدی ٹیپو سلطان ہوٹل جاتے ہوئے حسب عادت سیٹی بجاتا رہا اس نے تہہ کر لیا تھا کہ وہ پولیس حکام کے کام میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالے گا پولیس کی مدد کے بغیر اور پولیس کی مدد لئے بغیر اس کیس کو ضرور حل کرے گا اور یہ کوشش اور تجربہ اپنے ڈھنگ کا نرالا ہی ہو گا اس کے برخلاف اگر پولیس اپنے مقصد میں ناکامی کے بعد اس سے دوبارہ مدد کی درخواست کرتی ہے تو وہ اس کی ضرور مدد کرے گا۔ اسی کے ساتھ ساتھ چند سوالات اس کے ذہن کو اب بھی بو جھل کئے ہوئے تھے وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں جبار فریدی



یا اس کے خاندان کے افراد کے علاوہ کسی با اثر شخصیت کا دباؤ تو ایس بی نعیم عرشی پر نہیں پڑ رہا کہ وہ اس طرح مجھے اس کیس کو حل کرنے سے روکیں؟

ہوٹل پہنچ کر میجر نے شو بی اور نشی سے اس سلسلے میں تبادلہ خیال کیا۔ اس نے کہا۔ ”اس کیس کو حل کرنے کے دوران ہمارے سامنے جو نئی باتیں آئی ہیں وہ یہ ہیں، جبار فریدی بہت مالدار اور بارسوخ شخصیت کا مالک ہے اس کی نوجوان بیوی پہلے فلمی رقاصہ تھی جو آج کل ایک بنگالی نوجوان کے دام الفت میں گرفتار ہے اس کے علاوہ فریدی کی بیٹی تسنیم فریدی تنہا کالج روڈ کے بنگلے میں رہتی ہے اور جبار فریدی کی حقیقی چچی ضعیف العمر ہونے کے باوجود شاہراہ اقبال کی پہاڑیوں میں روپوش ہونے والے اس آدمی کو سات سال سے برابر کھانے کی چیزیں پہنچا رہی ہے جو چھری اور کانٹے سے کھانا کھانے کا عادی ہے اور بالکل تازہ اور انوکھا واقعہ یہ ہے کہ انجم زیدی کو محض اس لئے مار دیا گیا کہ وہ مجھ سے ملا تھا۔ ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے تم یہ بتاؤ کہ ہمارا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔“ چند لمحوں کے بعد شو بی اور نشی نے سوچ کر یہ کہا کہ ”تسنیم فریدی سے ملنا چاہئے۔“

ان دونوں کی رائے جاننے کے بعد میجر نے کہا۔ ”تم نے ٹھیک صلاح دی۔“

کالج روڈ کے ۲۵ نمبر بنگلے کی خوبصورتی اور بناوٹ کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا تھا کہ اسے سلیقہ سے تعمیر کیا گیا ہے وہ سچ سچ ایک حسین تصور معلوم ہوتا تھا۔ برآمدہ میں دو گھونٹنے والی کرسیاں پڑیں تھیں برآمدہ کا صدر دروازہ بھی گھونٹنے والا تھا۔ دروازہ سے گزر کر جب وہ اندرونی ہال میں پہنچا تو سامنے ہی ریسپشن کاؤنٹر پر ایک خوبصورت نوجوان کھڑا تھا جس کے بال بھورے اور رنگ صاف تھا لیکن اس کے چہرے میں نسونیت زیادہ تھی۔ میجر نے اس کے قریب جا کر آہستگی سے کہا۔ ”میں مس تسنیم فریدی سے ملنا چاہتا ہوں۔“

اس نوجوان نے اپنی ٹائی درست کرتے ہوئے میجر کو طائرانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ میجر کی مردانہ وجاہت سے مرعوب ہو کر اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ میجر نے نوجوان کو اپنے ہی خیالوں میں گم پا کر اسے دوبارہ مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”سنئے۔ مس تسنیم فریدی کو مطلع کر دیجئے کہ میں ان کے والد سے مل کر آ رہا ہوں میرا نام میجر عابدی ہے۔ میجر عابدی۔“ نوجوان کچھ سوچ کر کاؤنٹر کے پیچھے والے کمرہ کا دروازہ کھول

کر اندر چلا گیا۔ تین چار منٹ بعد اس نے آکر ہال کے سامنے والے کونے کی سمت اشارہ کیا۔ کونے میں بی بی سنگ مرمر کی سیڑھیاں اوپر کی جانب جارہی تھیں۔ اس نے میجر سے کہا۔ ”اوپر چلے جائیے۔ کمرہ نمبر سات میں۔“

سنگ مرمر کی سیڑھیاں ملے کرنے کے بعد میجر جب اوپر پہنچا تو سامنے ہی لکڑی منڈھی ہوئی کاری ڈور کے برابر ہی ساتھ نمبر کا کمرہ تھا۔ کمرہ کے دروازہ پر لگے ہوئے کال بیل کے سوچ کو دباتے ہی ایک تیس بیس سال کی خاتون نے دروازہ کھول کر اس کا استقبال کیا۔ وہ سیاہ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھی جن کے آگے کا حصہ سفید تھا اس نے مسکرا کر کہا۔ ”میجر عابدی۔“

”آئیے اندر تشریف لائیے۔“ عورت نے راستہ دیتے ہوئے کہا وہ کمرہ ملاقاتی کمرہ تھا۔ اس عورت نے ملاقاتی کمرہ کے دوسرے دروازہ کے قریب پہنچ کر ذرا اونچی آواز میں کہا۔ ”میجر عابدی۔“ اور پھر اس نے خود ہی دروازہ پر ہاتھ رکھ کر ہلکے سے دباؤ سے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کو پار کرنے کے بعد جب وہ دوسرے کمرے میں پہنچا تو وہ کمرہ بہت ہی خوبصورت تھا سامنے ہی مس تسنیم فریدی پیا نو کوناس کھڑی تھی، مناسب قد، چھریا بدن، سنہرے بال، نرمی آنکھوں کے ساتھ ساتھ کھلا ہوا سرخ و سفید رنگ، گلے میں چمکتے ہوئے ہیروں کا قیمتی ہار، داہنی کلائی پر ہیروں جڑی پلائینم کی خوبصورت گھڑی اس کی عمر تقریباً ”بیس ایکس سال کی تھی وہ سچ سچ ایک کروڑ پتی باپ کی بیٹی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کو ایسا ہی پایا جیسا اس کی خوبصورتی کے متعلق انجم زیدی سے سنا تھا۔

”معاف کرنا مس تسنیم فریدی اطلاع دیئے بغیر ملنے کے لئے آگیا ہوں میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔“ یکایک مس تسنیم فریدی کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اس نے پوچھا۔

”کیا آپ میرے والد صاحب سے مل کر آ رہے ہیں آپ میرے اور ان کے سلسلے میں آئے ہیں؟“

”میں جس سلسلے میں آپ سے ملنے آیا ہوں اس کا تعلق آپ کے والد صاحب سے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتی ہوں میں ایک جاسوس ہوں مجھے امید ہے کہ آپ میری ہر طرح مدد کریں گی؟“

”جی ہاں میں نے آپ کا نام سنا ہے۔ لیکن میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔“ مس تسنیم فریدی نے ایک ہی سانس

میں کہا۔  
”پہلے آپ میری پوری بات سن لیجئے۔“ میجر نے کہا۔  
”بیٹھ جائیے۔“ تنیم فریدی بولی۔

”مس تنیم، تین دن ہوئے، ایک نوجوان ناظم اور ایک نوجوان لڑکی عفت رحمان کو قتل کر دیا گیا۔ مرحوم میری اسٹنٹ مس شوہی کے ہونے والے شوہر کا عزیز ترین دوست تھا۔“ عابدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں وہ خبر میں اخبار میں پڑھ چکی ہوں۔“ تنیم نے برجستہ کہا۔

”مس تنیم! مرحوم ناظم نے اپنے رائٹنگ پیڈ کے آخری صفحہ پر آپ کے والد کا نام لکھا تھا۔“

”ناظم نے میرے والد صاحب کا نام کیوں لکھا تھا؟“  
مس تنیم نے حیرت سے پوچھا۔

”یہی میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے والد اور مرحوم ناظم کا آپس میں کیا تعلق تھا؟“

”اگر کوئی تعلق تھا تو اس کا مجھ سے کیا واسطہ؟ اس سلسلے میں، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی، مجھے کچھ ہی منٹ بعد باہر جانا ہے۔“ ”عشرت کلب“ مجھے کسی سے ملنا ہے۔

معاف کیجئے گا میں آپ کی مدد کرنے سے قاصر ہوں۔“

میجر عابدی کا اصل مقصد پورا ہو چکا تھا وہ تنیم سے مل کر اس بات کا اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ مرحوم ناظم کے قتل سے قبل جو عورت اس سے ملی تھی وہ تنیم تو نہیں تھی۔ نہیں۔۔۔ وہ تنیم فریدی نہیں تھی۔

میجر واپس ہو ٹل پہنچا تو اختر اور روزی بھی غار والے جوگی کی دیر تک نگرانی کرنے کے بعد واپس آ گئے تھے۔ انہوں نے آگرتایا کہ انہیں کوئی کاٹا باد جود کو شش کے نہیں ملا۔

ارشاد بھی واپس آ گیا تھا۔ ہو ٹل کے جس کمرے میں ناظم کا سامان رکھا ہوا تھا اس کو ہو ٹل والے خالی کرانا چاہتے تھے انہوں نے پولیس کی موجودگی میں مرحوم کا تمام سامان ارشد کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ وہ یہ سامان ناظم کے متعلقین کو پہنچا دے۔ مرحوم ناظم کا سامان اچھی طرح رکھتے ہوئے ارشد کو دو مشکوک چیزیں ملیں جن کو لے کر وہ میجر کے پاس آیا تھا اس نے دونوں چیزیں میجر کے روبرو رکھ دیں۔ ان میں سے ایک چھوٹے سائز کی سیاہ نوٹ بک تھی جس کے کنارے سنہرے تھی اور درمیانی حصہ میں ”عشرت کلب“ لکھا تھا۔ وہ ”عشرت کلب“ کی ڈائری تھی جس میں دوسری اہم باتوں کے علاوہ کلب کے مقامی ممبروں کے پتے بھی لکھے

تھے۔ دوسری چیز سبز رنگ کے گتے کی ماچس تھی۔ جس کے کنارے بھی سنہری تھی اس کے اندر گتے کی ہی میلیاں تھیں جن کے سروں پر سرخ گندھک کا مسالہ لگا ہوا تھا۔ دیا سلائی پر لال حروف میں ”عشرت کلب“ کا نام لکھا ہوا تھا۔

”تمہیں یہ دونوں چیزیں کہاں سے ملیں؟“ میجر نے پوچھا۔

”ناظم کے ٹائیلون کے ایک موزے میں۔“ ارشد نے جواب دیا۔

”موزے میں؟ ان چیزوں کو موزے میں چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے تو سنا ہے کہ عشرت کلب میں صرف روماء ہی جاتے ہیں پھر یہ ناظم وہاں کیسے پہنچا؟ اس کو کلب میں کون لے گیا؟ میجر نے کچھ سوچتے ہوئے ارشد سے کہا۔

”ارشاد تم یہاں کیمیکل انجینئر اکرم کی جگہ پر کیمیکل ریسرچ سینٹر کے انچارج بن کر آئے ہو کیا تم کیمیکل ٹیسٹ کا بہانہ بنا کر شوہی کے ساتھ عشرت کلب میں جاسکتے ہو؟“

”کیوں نہیں! وہ کلب مقامی ممبروں کے لئے مخصوص ہے لیکن میں سرکاری طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ کلب کے اندر اور باہر کی مٹی کا تجزیہ کرنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔“

”خوب۔۔۔ بہت خوب، تم آج شام ہی شوہی کے ساتھ وہاں جاؤ، شوہی وہاں موجود آدمیوں کے حلیے نوٹ کرے گی اور لا کر مجھے دے گی۔“

شام ہوتے ہی ارشد اور شوہی تیار ہو کر میجر کی ہدایت کے مطابق عشرت کلب جانے کے لئے چل پڑے۔ ان کے جاتے ہی میجر نے اختر روزی اور نشی سے کہا ”وہ جلدی سے ایک بنگالی خاندان کا میک اپ کر لیں اور جبار فریدی کی بلڈنگ میں پہنچ جائیں۔ وہاں پہنچ کر بلڈنگ کے منتظم کے آفس میں جا کر معلوم کریں کہ بنگالی نوجوان ندیم اس بلڈنگ کے کس فلیٹ میں رہتا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد اس بلڈنگ کی نگرانی کرو، اپنے ساتھ ہاؤنڈ کو بھی لیتے جانا تم سب پوری طرح مسخ ہو کر جانا اور ہر دم چو کنرا رہنا تم جانتے ہی ہو کہ جبار فریدی نے ہماری دیکھ بھال کرنے کے لئے جس آدمی کو مقرر کیا تھا وہ ٹارزن ہے جو مجھ سے پٹ بھی چکا ہے وہ کسی بھی وقت اور کسی بھی لمحہ بدلہ لے سکتا ہے۔ تمہارے پہنچنے کے بعد ہی میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔“


اختر، روزی اور نشی نے بنگالی میک اپ میں جا کر بلڈنگ کے منتظم کے آفس میں سے پتا لگالیا کہ بنگالی نوجوان ندیم، بلڈنگ کی چوتھی منزل کے کمرہ نمبر ۵۵ میں رہتا ہے۔ میجر کے پہنچنے سے پہلے انہوں نے بلڈنگ میں خوب گھوم پھر

85

نیا

**ایک تانجے**

کا گھوڑا جب چلتا ہے  
رک جاتا تو کوچوان اتر  
کر اس کے سامنے گانا گاتا۔ گانا سن کر گھوڑا  
پھر چلتا لگتا۔ آخر تک آکر تانجے میں بیٹھی ہوئی  
سواری نے کوچوان سے پوچھا،  
"بھئی یہ کیا قصہ ہے؟ تمہارا گھوڑا گانا سن کر  
کیوں چلتا ہے؟"  
کوچوان بولا: "بابو جی! یہ دراصل باراتی گھوڑا  
ہے، گانا سن کر ہی چلتا ہے۔"



**باراتی  
گھوڑا**

بے ہوش پڑی رہی تھی اور اب ہوش آجانے پر انھنے کی  
کوشش کر رہی تھی۔

میجر اس کی مدد کرنے کے لئے آگے بڑھا تو وہ اپنے  
بائیں جانب لڑھک گئی اس کے چہرے سے اس کے سیاہ بال  
ہٹ گئے۔ بائیں کروٹ گرتے ہی اس کی آنکھیں کھلی کی  
کھلی رہ گئیں اور یکایک پتھرا گئیں۔ عورت کے دم توڑتے  
ہی میجر کو شدید احساس ہوا کہ وہ دیر سے پہنچا لیکن وہ کر بھی  
کیا سکتا تھا۔ عورت کے بائیں جانب تھوڑے ہی فاصلہ پر  
ایک کانٹا پڑا ہوا تھا جس کا دستہ ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا۔  
کانٹے کی موجودگی سے اس کے ذہن میں ایک بار پھر ناظم کی  
موت کی وجہ گھوم گئی۔ اتنا یاد آتے ہی وہ مردہ عورت پر جھک  
گیا۔ اسے بغور دیکھتے ہی نیپو سلطان ہوٹل کی ریسپشنٹ  
گرل کا بتایا ہوا حلیہ اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا جو ناظم  
کے ساتھ ہوٹل سے گئی تھی یہ ابھی ابھی مرنے والی عورت  
وہی عورت تھی۔ اس نے ایک بار پھر اس عورت کا جائزہ  
لیا جس کے بدن سے سینٹ کی بھیننی بھیننی خوشبو آرہی تھی،  
سیاہ بالوں کی چمک اس بات کی چغلی کھا رہی تھی کہ وہ بہترین  
شیمو سے دھلے ہوئے ہیں۔ کپڑوں سے وہ کسی اچھے کھاتے  
پیتے گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔

اس کی گردن بلاؤز اور ساڑی پر جھے ہوئے خون سے  
اندازہ ہوتا تھا کہ اس پر اب سے تقریباً ۴۵ منٹ پہلے ہی  
حملہ کیا گیا ہے حملہ آور اس کو مردہ تصور کر کے چھوڑ گیا ہے  
اگر نصف گھنٹہ پیٹھر بھی اس کو طبی امداد مل جاتی تو شاید وہ بچ  
جاتی میجر نے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے دیکھا  
تھا۔ لمبی بے ہوشی کے بعد چند لمحے کو ہوش میں آکر پھر سے  
ابدی نیند سو گئی۔

میجر کے ذہن میں ایک بات آئی وہ سوچ رہا تھا کہ ندیم

کر اس کا بھرپور جائزہ لے لیا۔ بلڈنگ کے تمام فلیٹ ایک  
دوسرے سے ملے ہوئے تھے غالباً یہ اس لئے تھا کہ اگر  
ایک کمرہ ناکافی ہو تو دوسرا اس سے ملا لیا سب کے سب نیچے  
اتر کر بلڈنگ کی نگرانی کرنے لگے۔

جیسے ہی میجر وہاں پہنچا۔ اسے دیکھ کر ہاؤنڈ حسب  
عادت کون کون کرنے لگا۔ جلدی سے بھاگ کر روزی نے  
اس کو پکڑ لیا اور آہستہ سے اس کے چپت مار کر چپ رہنے  
کا اشارہ کیا۔

میجر ان کے پاس سے جیسے ہی گزرا تو روزی نے آہستہ  
سے کہا۔ "ندیم ۵۵ نمبر فلیٹ چوتھی منزل۔" روزی سے  
چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ہوئے اختر نے آہستگی سے کہا۔  
"لیکن وہ ہے نہیں۔"

بظاہر میجر بے پروائی دکھاتا ہوا ان کے پاس سے گزر  
گیا۔ یہ جان کر کہ ندیم اپنے فلیٹ میں نہیں ہے اسی دوران  
اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ "ماسٹر کی" سے ندیم کے کمرے کا تالا  
کھول کر کمرہ کی تلاشی ضرور لے گا اور یہ جاننے کی کوشش  
کرے گا کہ وہ کس مزاج و کیفیت اور کس کردار کا نوجوان  
ہے۔

☆

میجر عابدی ۵۵ نمبر فلیٹ کے دروازہ پر کھڑا جیب سے  
"ماسٹر چابی" نکال رہا تھا کہ دفعتاً اس کے کانوں سے کسی  
شخص کے کراہنے کی آواز ٹکرائی، آواز کو سن کو وہ رک گیا  
اس نے اس بات کا اندازہ کرنے کی کوشش کی کہ یہ آواز  
کہہ رہے آئی۔ دوسری بار جب کراہنے کی آواز آئی تو اس  
نے اندازہ لگایا کہ وہ آواز ندیم کے کمرے ہی سے آرہی  
تھی لیکن کراہٹ سے یہ اندازہ نہ لگ سکا کہ وہ مرد کی آواز  
ہے یا کسی عورت کی۔ میجر نے جلدی سے فلیٹ کا تالا کھولا  
اور ریوالتور لے کر فلیٹ کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ وہ ٹھٹک  
کر رہ گیا۔ کمرے کی مدھم روشنی میں اس نے دیکھا کہ ایک  
عورت فرش پر اپنی ہتھیلیاں ٹیک کر انھنے کی کوشش کر رہی  
ہے جس کا چہرے اس کے اپنے ہی بالوں سے ڈھکا ہوا ہے۔  
میجر نے فلیٹ کا دروازہ فوراً ہی بند کر لیا۔ دروازہ بند کرتے  
ہی اس نے اپنا لاکٹر جلیا اور اس عورت کے چہرہ کو بہ غور دیکھنے  
لگا۔ اس عورت کا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا اس کی  
نازک سی گردن سے ذرا نیچے جہاں سے کندھا شروع ہوتا  
ہے چار چھید تھے جن سے خون بہہ کر اس کی ساڑھی اور  
بلاؤز پر جم چکا تھا۔ اس کے پریشان بال سیاہ اور ملائم تھے عمر  
ستائیس اٹھائیس برس کے درمیان تھی۔ شاید وہ دیر تک

بتا کر ان سے پوچھا تو انہوں نے یہی بتایا کہ اس جلیے کے کسی بھی نوجوان کو انہوں نے کلب میں آتے ہوئے نہیں دیکھا۔

”اگر ناظم کلب میں نہیں گیا تو عشرت کلب کی ڈائری اور مخصوص دیا سلائی اس کے پاس کہاں سے آئی؟“ اور اس نے یہ دونوں چیزیں چھپا کر کیوں رکھیں؟“

مبجمر نے روزی سے کہا کہ وہ ڈائری اور دیا سلائی نکال لائے۔ مبجمر نے دیا سلائی کو دیکھا اس میں سے آٹھ گتے کی تیلیاں استعمال کر لی گئیں تھیں اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ڈائری میں کلب کے تین ممبروں کے نام البتہ لکھے تھے۔ ان میں مسز رضیہ فریدی اور مس نسیم فریدی کا نام بھی تھا۔ ڈائری کی پشت پر ایک اشتہار سنہری حروف میں چھپا تھا۔

”موتی، پتھر، من کے، سپیاں، سنہری چمکیلی ڈوریں۔۔۔“

”ان سے شال، بچوں کی ٹوپیاں اور لڑکیوں کی فراکیں بنائیے! اور منگل وار پینٹھ میں ”میک اپ کارنز“ میں آئیے۔“ یہ پڑھ کر مبجمر کو تعجب ہوا کہ اتنی عمدہ ڈائری کی پشت پر ایسی معمولی دکان کا اشتہار کیوں! جو منگلوار پینٹھ میں، منکے، موتی پتھر اور سپیاں فروخت کرتی ہے؟ مبجمر نے نوٹ بک نما ڈائری کو رکھ کر دوبارہ دیا سلائی اٹھائی اس نے ایک تیلی توڑ کر دیکھا تو اس کے نیچے نمبر تھے۔ نمبر اے ۰۰۳ سے شروع ہوتا تھا۔ آٹھ تیلیاں استعمال کی جا چکی تھیں نویں تیلی پر اے ۰۰۴ نمبر تھا اور اے ۰۰۲ پر ختم ہو گیا تھا کیونکہ ماچس میں صرف بارہ تیلیاں باقی تھیں ان پر بھی وہی نمبر پڑے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر سوچنے لگا کہ ان نمبروں کا کیا مطلب ہے؟ آخر کار وہ جھنجھلا کر رہ گیا ذہن سے اس نے فی الحال اس بات کو جھٹک دیا۔ رات کافی بیت چکی تھی۔

صبح ہوتے ہی مبجمر عابدی نے شوبی، ارشد اور روزی کو جگا کر ان سے کہا کہ وہ فوراً ”تیار ہو کر“ فردوس بلڈنگ ”پہنچ جائیں اور پتا چلائیں کہ کل پولیس نے وہاں کیا کارروائی کی؟ ندیم کہاں ہے؟ اگر ہو تو مجھے فون کر دیں۔ وہ تینوں بنگالی میک اپ میں کریم نگر کے لئے چل پڑے۔

ادھر وہ اور نشی تیار ہو کر منگلوار کے بازار میں پہنچ گئے۔ بازار میں خاصی چم پل تھی۔ ”میک اپ کارنز“ میں اس وقت صرف دو گاہک تھے جن میں ایک مراد اور دوسری عورت تھی۔ نشی اور مبجمر کو دیکھ کر ایک سیلز گرل نے ان سے مسکرا کر کہا۔ ”ہمارے پاس افریقہ کے منکے، میکسیکو کے قیمتی پتھر، انڈونیشیا کے بہترین موتی اور تمام سمندر والی

اسے مار کر اور فلیٹ کا دروازہ بند کرنے کے بعد اس کی لاش ٹھکانے لگانے کا انتظام کرنے تو نہیں گیا؟ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عورت ندیم سے ملنے آئی ہو اس کے پاس کمرے کی ڈپلمکیٹ چابی ہو اور فلیٹ میں آتے ہی قاتل نے جو اس کے تعاقب میں ہو گا حملہ کر دیا ہو اور اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد دروازہ مقفل کر کے چلا گیا ہو۔ ابھی وہ ان ہی سوالوں میں الجھا ہوا تھا کہ اس نے پولیس کار کے مخصوص ہارن کی آواز سنی۔ پولیس کا خیال آتے ہی وہ سوچنے لگا کہ کہیں ایس پی نعیم عمری تو نہیں آگیا جس سے اس نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ اس کیس میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ یہ سوچ کر وہ فوراً ہی فلیٹ سے نکل آیا اور اپنی ماسٹر چابی سے کمرے کو مقفل کرنے کے بعد پچھلے زینہ سے اتر کر بلڈنگ کے پیچھے پہنچ گیا اور کچھ دیر بعد وہ بڑی ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ اپنے ساتھیوں تک پہنچ گیا تب تک پولیس بلڈنگ کے اندر پہنچ چکی تھی اس نے پہنچتے ہی اپنے تمام ساتھیوں کو چلے جانے کا اشارہ کیا اور خود تیزی سے ”فردوس بلڈنگ“ کے منتظم کے دفتر میں چلا گیا۔ اس نے منتظم سے سوال کیا۔ ”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ندیم ۵۵ نمبر فلیٹ میں کب سے مقیم ہے؟“

”چھ مہینے سے۔“ منتظم نے کہا۔  
”کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا کام کرتا ہے؟“  
”وہ کسی فیکٹری میں فورمن ہے۔“

”کیا اس سے بہت سی عورتیں ملنے کے لئے آتی رہتی تھیں؟“ مبجمر نے پوچھا۔

”ہم اپنے کسی بھی کرایہ دار کی زندگی کے متعلق ذاتی سوالات کا جواب نہیں دے سکتے۔“

مبجمر منتظم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کے دفتر سے نکل کر کار کی سمت بڑھ گیا۔ کار ڈرائیو کرتے وقت وہ یہی سوچتا رہا کہ اگر اس عورت کا قتل ندیم نے کانٹے سے کیا ہے تو پچھلے سات سال سے پہاڑی کے دامن میں غار کے اندر رہنے والا یہی شخص ہے جس کے لئے مسز رضیہ فریدی خوراک پہنچایا کرتی ہے۔ اگر یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے تو پھر مسز رضیہ فریدی اور ندیم کے آپس میں تعلقات کس طرح ہوئے؟ یہ سوچتے سوچتے وہ ٹیپو سلطان ہوٹل پہنچا تو شوبی اور ارشد واپس آچکے تھے۔ ارشد نے مبجمر کو بتایا۔ ”ناظم اس کلب میں کبھی نہیں گیا۔ وہاں جانے والے لوگوں کے رجسٹر میں اس کے نام کا اندراج نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے وہ کسی دوسرے نام سے وہاں گیا ہو، لیکن ہم نے اس سلسلے میں بھی معلومات کر لی ہیں ہم نے بیروں اور ویترس کو اس کا حلیہ

مختلف سیپاں ہیں۔“

”ہم خریداری کرنے نہیں آئے بلکہ مالک دکان سے ملنا چاہتے ہیں؟“

”مسٹر عروج مہدی تو انسپکٹر مسعود کے ہمراہ گئے ہیں؟“

”کیوں؟“

”آپ وہ شوکیس دیکھ رہے ہیں جس کے پیچھے کوئی سیلر گرل نہیں اس کی سیلر گرل مس صفیہ کو کل فردوس بلڈنگ میں قتل کر دیا گیا۔ وہ بڑی اچھی لڑکی تھی۔ بہت ہی کم گو کسی سے بات نہیں کرتی تھی صرف ایک مولانا سے بات کرتی تھی اور کبھی کبھی اس کے ساتھ چلی جاتی تھی۔ انسپکٹر مسعود کے ساتھ اس کی شناخت کے لئے مسٹر عروج مہدی گئے ہیں۔“

میجر لڑکی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد دکان سے باہر نکل گیا۔ اسے یاد تھا کہ اس نے ایس پی عرشی سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ پولیس کے کام میں رکاوٹ نہیں بنے گا اس لئے اس نے مردہ خانہ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور پاس ہی رستوران میں انسپکٹر مسعود کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

کافی پیتے ہوئے نشی نے میجر سے کہا ”مس صفیہ جبکہ ایک بھلی لڑکی تھی تو وہ ندیم کے کمرہ میں مردہ کیوں پائی گئی؟ وہ ناظم سے ملنے کیوں گئی؟ کیا وہ اس کا گرویدہ تھا اور حسد کی وجہ سے اس نے ناظم کے ساتھ دیکھ کر اسے مار ڈالا ہو؟ مولانا سے اس کا کیا تعلق تھا؟“

”تمہارے یہ سوالات اپنی جگہ اہم ہیں۔ ان کے جوابات عروج مہدی سے گفتگو کرنے کے بعد ہی دے سکتا ہوں۔“ میجر نے کہا۔

ایک گھنٹے بعد وہ دوبارہ ”میک اپ“ کارز پہنچے۔ اس کا مالک عروج مہدی واپس آچکا تھا۔ اسے دیکھ کر میجر عابدی کو کچھ حیرت ہوئی۔ اس لئے کہ وہ صورت شکل سے مکمل انگریز تھا۔ اور اس کا لباس بھی انگریزوں جیسا تھا۔ عروج مہدی کے ہونٹوں میں دبا پائپ دیکھ کر اسے اپنے پائپ کی یاد آگئی اس نے مجبوراً ”اپنا سگار سلگالیا اور عروج مہدی کی سخت بڑھا جو میز کے پیچھے ایک گھومنے والی کرسی پر بیٹھا تھا۔

”میں میجر عابدی ہوں۔۔۔ جاسوس۔۔۔ اور یہ میری اسٹنٹ مس نشی ہیں۔“

”اوہ۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ سے کون واقف نہیں۔ آپ سے مل کر مسرت ہوئی۔۔۔ تشریف رکھئے کہئے کیسے تکلیف کی؟“

”آپ کے یہاں کی ملازمہ مس صفیہ کو قتل کر دیا گیا

ہے کیا آپ کو کسی پر شک ہے؟“

”میں خود اپنی جگہ یہی سوچ کر حیران ہو رہا ہوں کہ صفیہ جیسی نیک لڑکی کا کون قاتل ہو سکتا ہے؟ میں ابھی ابھی مردہ خانے سے اس کی لاش کی شناخت کے بعد واپس آ رہا ہوں۔“

”وہ مولانا کون تھا؟ جس سے مس صفیہ اکثر ملا کرتی تھی؟“

”وہ اس کے گاؤں کی مسجد کے مولانا تھے جو چندہ لینے کی غرض سے اکثر آیا کرتے تھے۔ شہر میں چندہ وصول کرنے میں وہ ان کی مدد کرتی تھی۔“

”کیا آپ کسی بنگالی نوجوان مسٹر ندیم سے واقف ہیں؟“

”نہیں۔ اور مجھے سب سے زیادہ حیرت اسی بات پر ہے کہ وہ ندیم کے فلیٹ میں کیوں گئی تھی جہاں وہ قتل کر دی گئی؟“

”کیا پولیس نے اس سلسلے میں ندیم سے پوچھ گچھ نہیں کی؟“

”وہ کل صبح سے غائب ہے۔ انسپکٹر مسعود نے مجھے یہ بتایا۔“

”مسٹر عروج مہدی۔۔۔ کیا آپ ”عشرت کلب“ کے مستقل مقامی ممبر ہیں؟“

”جی ہاں۔“ عروج مہدی نے جواب دیا۔۔۔ ”کیوں؟ آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟“

”عشرت کلب“ کی نوٹ بک کی پشت پر آپ کی دکان کا اشتہار ہے۔“ میجر نے جواب دیا۔

”میں نے بڑی کوشش اور جدوجہد سے اپنی دکان کا اشتہار اس نوٹ بک میں چھپوایا ہے۔“ عروج مہدی نے بتایا۔

”مسٹر عروج مہدی! ذرا سوچ کر بتائیے کہ اس چلے کے نوجوان کو آپ نے کلب میں تو کبھی نہیں دیکھا تھا؟ یہ کہہ کر میجر عابدی نے بنگالی نوجوان ناظم کا حلیہ اسے بتایا۔

”نہیں۔۔۔ میں نے اس چلے کے کسی نوجوان کو نہیں دیکھا۔“

”آپ ”عشرت کلب“ کے مالک جبار فریدی کے متعلق کیا جانتے ہیں؟“

”یہی کہ وہ ایک بااثر شخصیت کے مالک ہیں۔ برسوں سے بیلگام میونسپل کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ کچھ ماہ بعد دوبارہ الیکشن ہونے والے ہیں لیکن امسال ان کی کامیابی کی امید

نہیں وہ اس لئے کہ ان کے مقابلے کا امیدوار ایک وکیل ہے جس نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے بہت کام کئے ہیں۔ امید ہے کہ اس سال وہی کامیاب ہوگا۔“

”اچھا مسٹر عروج مہدی! اس آخری سوال کا جواب اور دیجئے۔ مس صفیہ کہاں رہتی تھی؟“

”آشیانہ ڈرگ روڈ۔“

”شکریہ۔“ میجر عابدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ البتہ اس نے محسوس کیا کہ اسے مس صفیہ کی موت کا بے حد غم ہے۔ ”عروج مہدی کے میکپ کارنر سے نکل کر نشی و میجر ٹیپو سلطان ہوٹل کے لئے چل دیئے۔ ادھر عروج مہدی نے ان کے جاتے ہی کیش بکس سے تمام کیش نکال کر اپنی جیب میں رکھا اور کار کی چابی جیب سے نکال کر کار کی سمت بڑھ گیا۔ میک اپ کارنر کی تمام سیلز گرلس حیران تھیں کہ خلاف معمول آج ان کا مالک ان کو حکم دیئے بغیر چپ چاپ کیوں چلا گیا۔“

مس صفیہ کے حسن سلوک اور اعلیٰ کردار کی وجہ سے عروج مہدی کو اس سے دلی لگاؤ تھا جس کا اظہار اس نے اپنی زبان سے آج تک نہ کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مس صفیہ کی مزاجی کیفیت جدا ہے وہ اس بات کو کبھی بھی پسند نہیں کرے گی کہ اس سے آزادانہ اظہار محبت کیا جائے اسی لئے اس نے اب تک اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن اب جبکہ وہ اور صفیہ اس موڑ تک آگئے تھے تو اس کو قتل کر دیا گیا۔ یہی وہ باتیں تھیں جن کے سبب وہ بے حد ادا تھا۔ اسے اس بات سے بے حد خوشی ہوئی تھی کہ میجر عابدی نے قاتل کا سراغ لگانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ وہ جلد سے جلد اپنی صفیہ کے قاتل کو آہنی کھڑے میں دیکھنے کا متمنی تھا۔

عروج مہدی جس وقت اپنی کار میں جا کر بیٹھا تو وہ اس وقت اپنے ہی خیالوں میں گم ہونے کی وجہ سے یہ نہ دیکھ پایا کہ گجراتی کپڑوں میں ملبوس شخص اس کی نگرانی کر رہا ہے وہ شخص سامنے ہی والے رستوران میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کار میں بیٹھے بیٹھے اس رستوران کے مالک کو ایک بیرے سے باہر بھیجنے کے لئے کہا۔ رستوران کا مالک مس صفیہ کے گاؤں کا ہی رہنے والا تھا اور اسی نے صفیہ کو ملازم رکھنے کی سفارش بھی کی تھی۔ صفیہ کا گاؤں دس بارہ میل کے فاصلے پر تھا وہ اپنی کار سے جلدی اس گاؤں تک پہنچ سکتا تھا۔ رستوران کے مالک کے باہر آتے ہی وہ گجراتی کپڑوں میں ملبوس شخص بھی باہر آگیا۔ اس نے رستوران کے مالک سے پوچھا۔ ”شاہ پور جانے والی سڑک برسات زیادہ ہونے کی وجہ

سے ٹوٹ تو نہیں گئی؟“

رستوران کے مالک کو صفیہ کے قتل کا علم نہیں تھا اس نے برجستہ پوچھا۔ ”کیا آپ صفیہ کے پاس جا رہے ہیں؟“

”ہاں۔“

”منگوار کے پینٹھ سے جانے والی سڑک سے آپ چلے جائیے وہ بالکل ٹھیک ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“ عروج مہدی نے کہا اور اپنی کار اسی سڑک کی جانب موڑ دی۔

رستوران میں کھڑے گجراتی نے اپنا بل ادا کیا اور پاس کی میز سے اپنا تھیلا اٹھا کر رستوران سے باہر آگیا۔ سامنے کی دکان سے کچھ جو خرید کر فوارے کے قریب بیٹھے کبوتروں کو ڈالنے لگا۔ اس نے اپنے خاکی تھیلے سے ایک خود کار ٹرانسمیٹر نکال کر کسی کو پیغام دیا اور پھر اپنا کام کرنے کے بعد اس نے اس ٹرانسمیٹر کو خالی تھیلے میں رکھ کر باقی جو بھی کبوتروں کے آگے ڈال کے ایک سمت چل دیا۔

عروج مہدی ابھی شاہ پور کا نصف راستہ طے کرنے پایا تھا کہ اس نے دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں دور سڑک کے کنارے ایک لمبی کار کے پاس ایک عورت کو کھڑے دیکھا۔ عروج مہدی جب اس کار کے قریب پہنچا تو اس انجانی عورت نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس تھی۔ اس کے سیاہ بال گلدستے نما رین سے بندھے ہوئے تھے۔ ہونٹوں پر سرخ رنگ کی گہری لپ اسٹک لگی ہوئی تھی۔ عروج مہدی نے اپنی کار روک دی تو اس عورت نے قریب آکر کہا۔

”میری کار خراب ہو گئی ہے مجھے شاہ پور جانا ہے۔ راستہ میں ہی شاہ پور پڑے گا۔ آپ مجھے وہاں اتار دیجئے گا۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔“

”میں بھی شاہ پور ہی جا رہا ہوں۔“ عروج مہدی نے کہا۔ ”آئیے! میں آپ کو وہاں لئے چلتا ہوں۔“ عروج مہدی اس کی پروتار شخصیت سے بے حد متاثر ہوا۔ اس عورت کو دیکھ کر اسے کوئی بھولا ہوا چہرہ یاد آگیا تھا۔

”میرے ساتھ میرا بیٹا بھی ہے؟“ عورت نے کہا۔

عروج مہدی نے عورت کی کار میں جھانک کر دیکھا۔ اس کی پچھلی سیٹ پر کوئی اس انداز میں بیٹھا ہوا تھا کہ باوجود کوشش کے ٹھیک طرح دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن ایک نظر میں اس نے یہ اندازہ ضرور لگالیا کہ وہ کوئی مافوق الفطرت شے ہے جس کا چہرے کا پٹہ کار کی اگلی سیٹ کی پشت سے



بندھا ہوا تھا۔

”آپ اپنے بیٹے کو بھی لے آئیے“ مجھے عروج مہدی کہتے ہیں۔ ”عروج مہدی نے کہا۔

اس اجنبی عورت نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا اور بغیر بتائے وہ اپنی کار کی طرف بڑھ گئی اور اس نے کار کی سیٹ سے بندھا پٹہ کھولا اور کار کے دروازہ کو کھول کر بڑے پیار سے بولی۔ ”آؤ بیٹھے۔ باہر آؤ۔“

لمبی کیڈلاک کار کی پچھلی سیٹ سے ایک بد شکل لیکن کھلے رنگ کا پستہ قد گویا باہر آیا جس کی کمر میں چمڑے کی ایک چوڑی پٹی بندھی ہوئی تھی۔

عروج مہدی اس بد شکل بونے کو دیکھ کر حیران رہ گیا جسے اس اجنبی عورت نے قیدی بنا رکھا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ بد شکل بونا اس عورت کا بیٹا ہو سکتا ہے وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس عورت نے اپنے بیٹے کو کتے کی طرح کیوں باندھ رکھا ہے۔ چند لمحے یوں ہی بیت گئے اسے ڈر کا احساس ہوا تو اس نے اپنی کار کا دروازہ کھول دیا وہ عورت اسے لئے ہوئے عروج مہدی کی کار میں کھلے ہوئے دروازہ سے اندر آ کر بیٹھ گئی تو اس نے عورت سے پوچھا۔

”کیا یہ آپ کا بیٹا ہے؟“

”مسٹر عورت بولی۔

”عروج مہدی۔“

”مسٹر عروج مہدی۔! تقدیر کبھی کبھی انسان سے بڑا عجیب مذاق کیا کرتی ہے۔ کسی کو ایک طویل مدت کے بعد ایسا بناتا دیتی ہے جسے نہ تو گھر میں رکھنے کو جی چاہتا ہے اور نہ سڑک پر پھینکنے کو۔ اور یہ ایک ایسا ابدی کریناک درد ہے جسے نہ چاہتے ہوئے بھی زندگی بھر اپنے سینے میں دبانا پڑتا ہے۔ یہ ایک تھائی پاگل ہے۔ اس کی حالت کو دیکھ کر میں بھی پاگل سی رہتی ہوں میں نے سنا ہے کہ شاہ پور کے مسجد کے مولانا حشمت اللہ اپنے عمل سے نیم پاگل انسان کو ٹھیک کر دیتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اسے جیسی بھی شکل دی ہے ٹھیک ہے لیکن میری خواہش ہے یہ پاگل نہ رہے اسی لئے میں وہاں جا رہی ہوں۔ میں مجبوراً اسے باندھ کر رکھتی ہوں مبادا کسی کو نقصان نہ پہنچا دے۔“

اس اجنبی عورت کی فریاد سن کر عروج مہدی کا دل پیچ گیا۔ وہ قدر مطمئن ہو کر کار چلانے لگا۔ راستے میں اس نے کہا۔ ”اس غیر یقینی دنیا میں دکھ زیادہ اور سکھ کم ہیں لیکن پھر بھی انسان جینے پر مجبور ہے۔“ اس کے ساتھ ہی اسے بھی اپنی دکھ بھری زندگی کے واقعات یاد آنے لگے۔ وہ اپنی ہی

نہ اپنے دوست کو ہسپتال میں

جارج

مرہم ٹپی کراتے ہوئے دیکھ کر

حیرت سے کہا: ”اے یار سیمن! کیا ہوا تمہیں؟“

آج صبح ہی تو میں نے تمہیں ایک رستوران میں

سُہرے بالوں والی لڑکی کے ساتھ کافی پتیے ہوئے

دیکھا تھا۔“

سیمن نے ایک سرد آہ بھری اور کہا: ”تم ہی نے

نہیں۔ میری ساس نے بھی دیکھا تھا۔“



یادوں کے حصار میں قید تھا۔ کار تیزی سے سڑک پر دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ راہ میں ایک ویران اور سنسان جگہ پر جوں ہی کار پہنچی تو اس عورت نے اپنے بازو پر لپٹا ہوا پٹہ کھول دیا۔ پٹے کے کھلتے ہی اس بونے انسان نے ایک بھرپور مگا عروج مہدی کے سر پر جڑ دیا۔ مکے کی ضرب شدید تھی ہڈی کے ٹوٹنے کی آواز آتے ہی اس بونے نے اپنا ایک ہاتھ عروج مہدی کے منہ پر اور دوسرا ہاتھ چلتی ہوئی کار کے اسٹیرنگ وہیل پر رکھ کر اس کو تھام لیا۔ عروج مہدی کے بے ہوش ہوتے ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسٹیرنگ وہیل کو پکڑ کر کار کو سڑک کی ایک جانب کر کے کار کا انجن بند کر کے اس کی جیب سے پرس نکال کر اسے خالی کر دیا اور بے ہوش عروج مہدی کو اس کی سیٹ پر سو جانے والے انداز میں لٹا کر پاس ہی خالی پرس ڈال دیا۔

اجنبی عورت کار کی پچھلی سیٹ سے اور وہ بد شکل بونا اگلی سیٹ سے باہر آ گئے۔ باہر نکلتے ہی انہوں نے اپنے اپنے دروازے بند کئے اور کار کو ذرا سا پیچھے کی طرف دھکیل کر سڑک کے کنارے کر دیا اور بہت تیزی کے ساتھ سامنے والی سمت کی طرف چل پڑے۔ آدھے گھنٹے بعد وہ اپنی کار کے پاس پہنچ گئے۔ بونے کا دایاں ہاتھ سیاہ اور بایاں ہاتھ گورا تھا۔

☆

اگلے دن صبح کے اخبار میں میجر عابدی نے میک اپ کارنر کے مالک عروج مہدی کو قتل کر دینے کی خبر پڑھی۔ خبر کچھ اس طرح تھی۔

بیلگام ۲۴ جنوری۔ کل دوپہر کو شاہ پور جانے والی سڑک پر بیلگام کی مشہور دکان ”میکپ کارنر“ کے مالک عروج مہدی کو بڑی بید روی سے قتل کر دیا گیا۔ وہ شاہ پور گاؤں کی مسجد کے مولانا حشمت اللہ سے ملنے کے لئے جا رہا

تھا۔ راستے میں شاید کسی عورت یا مرد نے اس سے لفٹ مانگی اور لفٹ مانگنے والی عورت یا مرد نے ان کو ان کی کار ہی میں مار دیا۔ ان کے سر اور جڑے کی ہڈیوں کو کسی وزنی چیز سے توڑ دیا گیا ہے۔ مرحوم کی کار کی اگلی سیٹ پر ان کا خالی پرس بھی ملا ہے۔ شاید کسی نے روپے کے لالچ میں ان کی جان لی۔ یہ دوسری المناک خبر ہے اس واردات سے ایک دن قبل ہی ان کے دکان کی سیلر کرل مس صفیہ کو جان سے مار دیا گیا تھا۔ مقامی پولیس کا خیال ہے کہ ان دونوں وارداتوں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے پولیس محض اسے پیسہ لوٹنے کی واردات نہیں سمجھ سکتی۔ وہ مس صفیہ کے قتل کے سلسلے میں بھی اندھیرے میں ہے کیونکہ بنگالی نوجوان ندیم کا ابھی تک کوئی سراغ نہ لگ سکا جبکہ بلڈنگ کے منتظم کا بیان تھا کہ وہ ”عظیم گلاس فیکٹری“ میں بطور فورمن ملازم تھا۔ پولیس کو گلاس فیکٹری سے پتا چلا کہ اس نام کا وہاں کوئی شخص ملازم نہیں ہے۔

مبصر عابدی نے اس خبر کو بڑھنے کے بعد اخبار اپنے ساتھیوں کی جانب بڑھا دیا۔ ان کے ساتھی اخبار کی خبر پڑھ چکے تو مبصر نے کہا۔ ”پولیس نے ہم سے رابطہ توڑ لیا ہے اس لئے ہر نئی واردات کی خبر ہمیں اخباروں کے ذریعہ ملا کرے گی۔ خیر یہ پہلا اتفاق ہے کہ پولیس ہم سے کوئی رابطہ قائم نہیں رکھے ہوئے ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں ہماری مدد کی خواہشمند ہے۔ روزی اختر شوبی تم سب شاہ پور گاؤں چلے جاؤ۔ وہاں کی مسجد کے امام مولانا حشمت اللہ سے ملو اور یہ جاننے کی کوشش کرو کہ اس کا اور مرحومہ مس صفیہ کے درمیان کیا تعلق تھا اور عروج مہدی ان سے کیوں ملنا چاہتا تھا۔“

”میری آج چھٹی ہے میں بھی ان کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔“ ارشد نے کہا۔

”آپ بھی جائیے۔“ مبصر نے اجازت دیتے ہوئے کہا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سب تیار ہو کر چلے گئے ابھی ان کو گئے ہوئے مشکل سے پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ مبصر عابدی کے کمرے پر کسی نے دستک دی اور اس کے ساتھ آواز بھی آئی۔ ”مبصر صاحب دروازہ کھولئے۔“ دروازہ کے باہر انسپکٹر مسعود کی آواز سن کر انہوں نے نشی کو فوراً ”دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔ دروازہ کے کھلتے ہی وہ اندر آیا تو اس کے چہرہ پر شرمندگی کے آثار تھے۔

”انسپکٹر مسعود! کیا آپ اپنے ایس پی صاحب کی اجازت سے میرے پاس آئے ہیں؟“ مبصر عابدی نے کہا۔

”انہوں نے ہی مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔“ نعیم عرشی صاحب نے اپنی ہار مان لی ہے جس کے لئے وہ شرمندہ ہیں ان کی اب یہی خواہش ہے کہ اس سلسلے میں ان کی مدد کریں وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ جیسے عظیم جاسوس ہی اس کیس کو سلجھا سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ ہرگز تصور نہ کریں گے۔“

”قتل کی واردات میں میں کبھی بھی انا کا مسئلہ نہیں اٹھاتا۔ یہ تو سماج میں سے کچھ اور مجرموں کو کم کرنے کا سوال ہے۔ اس سے عوام کی بھلائی مقصود ہے اور میں نے ہمیشہ ہی ہر معاملے میں پولیس کی مدد کی ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“ انسپکٹر مسعود نے برجستہ جواب دیا۔ ”شاید آپ کے ایس پی صاحب کو عروج مہدی کی واردات قتل نے بوکھلادیا ہے۔“

”جی ہاں۔ اور وہ قتل کے کیس میں ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھے انہیں اپنی ناکامی کے بعد ڈر پیدا ہو گیا کہ کہیں ان کے اعلیٰ افسران ان کو نکما تصور نہ کرنے لگیں۔ کیا آپ ہمیں اپنا تعاون دیں گے؟“

”یقیناً۔ مجھے یہ بتائیے کہ عروج مہدی کی کار واردات کی جگہ کھڑی ہے یا آپ اسے وہاں سے لے آئے ہیں؟“ مبصر نے دریافت کیا۔

”وہیں کھڑی ہے لیکن ہم لاش لے آئے ہیں۔“ انسپکٹر مسعود بولے۔

”کیا آپ کو واردات قتل کی جگہ پر قاتلوں کا کچھ سراغ ملا؟“

”کچھ بھی نہیں۔“

”آئیے۔ واردات قتل کی جگہ چلیں!“ ایک گھنٹہ بعد مبصر عابدی، نشی اور ہاؤنڈ کے ساتھ جائے واردات پر پہنچ گئے۔ پولیس نے اچھا انتظام کر رکھا تھا اس نے کار کے گرد حلقہ بنا دیا تھا تاکہ مجرم کے قدموں کے نشان نہ مٹ سکیں۔ مبصر نے سب سے پہلے کار کے پاس قدموں کے نشان دیکھے ریت پر دو طرح کے نشان تھے۔ ایک نشان تو زنانہ قدموں کے جوئی پن سے ہوئے تھے اور اسی کے ساتھ ساتھ چھوٹے لیکن چوڑے قدموں کے نمایاں نشان تھے۔ ان نشانوں کا بغور معائنہ کرنے کے بعد مبصر نے کہا۔ ”ایسا لگتا ہے کہ یہ قتل کسی عورت نے کیا ہے جس کے ہمراہ کم عمر کا کوئی لڑکا یا لڑکی بھی تھی۔“ اس کے بعد مبصر کار کو بغور دیکھنے لگا۔ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر کافی خون جما ہوا تھا اگلی سیٹ پر خالی پرس کے اوپر بھی خون کے دھبے تھے یہ دھبے لمبے لمبے

تھے، لیکن کسی انسان کی انگلیوں کی بہ نسبت زیادہ چوڑے اور لمبے تھے۔

”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاتل نے کوئی عجیب سی چیز لے کر عروج مہدی پر وار کیا اور پھر اس کا پرس نکال کر کھولایا پھر قاتل کے ہاتھ میں کسی سخت چیز کے ہونے کا امکان ہے جس کی شدید ضرب نے اس کا کام تمام کر دیا۔“

کچھ سوچ کر میجر نے ہاؤنڈ کو اپنے پاس بلا کر کار کا دروازہ کھول دیا اور ساتھ ہی اس کو کار کے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میجر کا اشارہ پاتے ہی وہ کار کے اندر چلا گیا ایک دو منٹ بعد وہ یکایک باہر نکلا اور کار کے پیچھے کی سمت تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگا۔ اسے دوڑتا ہوا دیکھ کر میجر نے فوراً انسپکٹر مسعود اور نشی کو کار میں بٹھا کر اپنی کار کو ہاؤنڈ کے پیچھے پیچھے ڈال دیا۔

ہاؤنڈ بغیر کے تقریباً ”چار یا پنج میل تک دوڑتا ہی رہا اور پھر یکایک ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔ اور ایک دو چکر اس جگہ کے کاٹ کر پاس پڑی ہوئی ریت کو سونگھنے لگا۔ میجر، نشی اور انسپکٹر مسعود کار سے نکل کر اس جگہ پہنچے جہاں ہاؤنڈ چکر کاٹ رہا تھا۔ میجر نے وہاں بھی ایک زنانہ جوتے اور چھوٹے لیکن چوڑے جوتے کے نشان دیکھے یہ نشان ان نشانوں سے بہت مشابہ تھے جو عروج مہدی کے قتل کی جگہ پائے گئے تھے۔ یہاں پائے گئے نشانوں کے پاس کار کے پیروں کے نشان بھی تھے جن سے بخوبی اندازہ ہوتا تھا کہ کار کو ادھر ادھر موڑا بھی گیا ہے۔ میجر نے کار کے نشانوں کو دیکھ کر کہا کہ ”قاتل بھی کار میں تھے۔ ان کے پاس اپنی کار بھی تو وہ مرحوم عروج مہدی کی کار میں کیسے پہنچ گئے؟ آئیے انسپکٹر مسعود واپس چلیں۔ آپ پہلے مجھے عروج مہدی کی لاش دکھائیے۔“

وہ بیلام کی طرف چل پڑے راستے میں میجر نے انسپکٹر سے پوچھا۔ ”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کیا ہے؟“

”پولیس ڈاکٹر کی رائے میں یہ قتل وزنی ہتھوڑے سے کیا گیا ہے!“

”کیا آپ نے یہ پتا کیا کہ مسٹر عروج مہدی کا کوئی دشمن تو نہیں تھا؟“

”مرحوم عروج مہدی ایک بااخلاق شخصیت کے مالک تھے ان کی خوش اخلاقی کی وجہ سے ان کے بہت سے دوست تھے لیکن دشمن نہیں۔“ میجر سوچنے لگا کہ پولیس اس سے تعاون کی خواہشمند ہے اب اسے ”عشرت کلب“ جا کر مکمل تفتیش کرنے میں کوئی دشواری نہیں۔

مردہ خانے میں عروج مہدی کی لاش دیکھنے کے بعد میجر عابدی اس بات سے متفق تھے کہ اس کی موت سر میں ہتھوڑے کی کاری ضرب سے ہوئی لیکن ٹوٹے ہوئے جڑے اور گال پر دو گہرے اور کسی قدر لمبے زخم دیکھ کر وہ آنکھیں جھپکاتے لگے اور ساتھ ہی حسب عادت منہ سے سیٹی بجانے لگے کیونکہ وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئے تھے۔ سیٹی بجانا بند کرنے کے بعد انہوں نے کہا۔ ”عروج مہدی کی موت ہتھوڑے سے نہیں ہوئی بلکہ اس کے گال پر ویسے ہی نشان ہیں جیسے آپ نے عروج مہدی کے پرس پر دیکھے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاتل نے اپنے ہاتھ پر اسپرنگ دار فولادی ہاتھ چڑھا رکھا تھا۔“

”اسپرنگ دار فولادی ہاتھ؟ ایسا ہاتھ تو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔“ انسپکٹر نے حیران کن لہجے میں کہا۔

”انسپکٹر مسعود! حقیقت میں وہ انوکھا اسپرنگ دار ہاتھ تھا جس کی انگلیوں کے جوڑ تک ہوتے ہیں اور ان ہی جوڑوں پر اسپرنگ لگے ہوتے ہیں۔ اسپرنگ کی موجودگی سے فولادی ہاتھ میں ایک قسم کی لچک سی پیدا ہونا لازمی امر ہے اور یہی وجہ ہے کہ قاتل نے مقتول کے سر پر وار کرنے کے بعد اسی ہاتھ سے پرس بھی کھول لیا۔“

”اوہ۔۔۔ میجر صاحب آپ کا تعاون ہمارے لئے کتنا اہم ہے۔“ انسپکٹر مسعود نے کہا۔

”مسٹر مسعود۔ میں آپ کے ساتھ ”عشرت کلب“ چلوں گا۔“ میجر عابدی نے کہا۔

”میں آپ کو مطلع کر دوں گا کہ میں کب اور کس وقت جانا چاہتا ہوں۔“ اتنا کہہ کر وہ نشی کا ہاتھ تھام کر مردہ خانے سے باہر آ گئے۔

جیسے ہی وہ دونوں ٹیپو سلطان ہوٹل کے رہائشی کمرہ میں پہنچے تو وہ یہ دیکھ کر ٹھٹک گئے کہ ان کی غیر موجودگی میں کسی نے ان کا کمرہ کھول کر تلاشی لی ہے۔ تلاشی بھی اس طرح کہ کمرے میں ہتھی ہوئی درمی تک کو اٹھا کر دیکھا گیا تھا۔

”ہماری غیر موجودگی میں یہاں کون آیا؟ اسے کس چیز کی تلاش تھی؟“ کمرے کی حالت کو دیکھ کر میجر نے نشی سے سوال کیا نشی کو لا جواب پا کر انہوں نے لپک کر اپنے بیگ کو کھولا اس میں عشرت کلب کی نوٹ بک اور ماچس موجود تھی۔ کچھ سوچ کر انہوں نے نوٹ بک کی ورق گردانی کی۔ نوٹ بک سے کوئی صفحہ غائب نہ تھا اور ماچس کو کھول کر دیکھنے کے بعد پتا چلا کہ اس میں بارہ تیلیاں بھی ہیں۔

قسم کی مدد کے خواہشمند ہیں؟“  
تسним فریدی کے اس رویے پر میجر کو حیرانی ہوئی اس نے سوچا کہ اس نے فوراً ہی اسے فون کیوں کیا؟ اسے کیسے پتا چلا کہ میں نیپو سلطان ہوٹل میں مقیم ہوں؟  
”میں آپ کو فون پر نہیں پتا سکتا کہ میں آپ سے کس قسم کی مدد کا خواہشمند ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے پاس آجاؤں۔“

”اس وقت۔۔۔ نہیں۔ اس وقت نہیں، میں مصروف ہوں، پھر میں آپ سے اپنے بنگلے میں ملنا نہیں چاہتی۔“  
”پھر کب مل سکتی ہیں اور کہاں مل سکتی ہیں؟“ میجر نے پوچھا۔

”میں رات کے دس بجے ”عشرت کلب“ کے گیٹ پر مل سکتی ہوں۔“

”اچھی بات ہے، میں دس بجے آپ سے ملوں گا۔“  
دوسری جانب تسنیم فریدی نے اپنا ریسیور رکھ دیا۔ انسپٹر مسعود کا فون نمبر نکال کر میجر نے اسے فون کیا۔  
”انسپٹر صاحب، آج رات کو آٹھ بجے میرے ساتھ ”عشرت کلب“ چلے۔ کیا آپ وہاں جانے کا انتظام کر سکتے ہیں؟“

”کر سکتا ہوں، میں آپ کو ساڑھے سات بجے لینے آجاؤں گا۔“ انسپٹر مسعود نے کہا۔  
میجر نے اپنا ریسیور کریڈل پر رکھا ہی تھا کہ دروازہ پر دستک کی آواز سن کر نشی نے دروازہ کھولا تو سامنے روزی اختر اور شولی کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ اندر آنے پر میجر نے سوال کیا۔ ”کیا رپورٹ لے کر آئے ہو؟“

”شاہ پور ایک صاف ستھرا گاؤں ہے وہاں کے لوگ مذہب پرست ہیں۔ وہاں ایک مسجد زیر تعمیر ہے۔ اس مسجد کے متولی مولانا حشمت اللہ سے مس صفیہ بیعت تھی۔ مولانا ایک نیک سیرت اور خدا پرست انسان ہیں انہوں نے ہمیں بتایا کہ صفیہ کے والدین کے انتقال کے بعد انہوں نے ہی اس کی پرورش کی تھی۔ اور حتی الامکان اسے مذہبی خیالات کا حامی بنادیا تھا اور اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کر دیا تھا کہ وہ خود کسی اچھے اور نیک سیرت شخص سے اس کی شادی کر دیں گے یہی سبب تھا کہ اس نے آج تک کسی بھی نوجوان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔“ شولی نے تفصیل سے بتایا۔

”غور طلب بات یہ ہے کہ صفیہ جیسی نیک سیرت خدا پرست خیالات کی لڑکی ندیم سے ملنے اس کے فلیٹ میں کیوں

سگریٹ کا طویل کش لینے کے بعد یکایک میجر نے ماچس کو دوبارہ کھولا ہاتھ میں ایک تیلی تھی، تیلی کو دیکھا تو اس پر نمبر نہیں تھے میجر فوراً ہی سمجھ گیا کہ کوئی عشرت کلب کی مخصوص ماچس کی جگہ دوسری ماچس رکھ گیا ہے اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناظم کے کمرہ کی بھی تلاشی اسی لئے کی گئی تھی۔ حملہ آور اسی ماچس کی تلاش میں تھا اس کا صاف مطلب ہے کہ حملہ آور قاتل کے لئے وہ بہت ہی اہم ہے۔“

”فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں وہ نمبر مجھے یاد ہیں۔“  
نشی نے پر یقین ہو کر کہا۔

”یاد تو مجھے بھی ہیں۔“ میجر عابدی نے کہا۔ ”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نمبر کسی خاص مقصد کے تحت لکھے گئے تھے۔“

اتنا کہنے کے بعد میجر نے ایک مخصوص اشارہ ہاؤنڈ کو کیا۔ اشارہ کے ساتھ ہی وہ کمرہ کی بکھری ہوئی چیزوں کو سونگھنے لگا اور پھر فوراً ہی کمرہ سے باہر نکل گیا۔  
”نشی تم یہیں ٹھہرو میں دیکھتا ہوں کہ ہاؤنڈ مجھے کہاں لے جاتا ہے۔“

ہاؤنڈ میجر کو ”کاری ڈور“ کی سیڑھیوں کے پاس لے گیا جہاں دو آدمی سیڑھیوں کے قالین پر کیڑے مارنے والی تیز دوا کا استعمال کر رہے تھے۔ ہاؤنڈ کو وہاں سے آگے نہ جاتا دیکھ کر انہوں نے دوا چھڑکنے والے ایک شخص سے پوچھا کہ ”تم کس وقت سے یہ کام کر رہے ہو؟“

”پندرہ منٹ سے۔“ اس شخص نے جواب دیا۔  
”کوئی ادھر سیڑھی سے نیچے تو نہیں اتر آ؟“  
”نہیں ہم نے کسی کو اترتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ پھر اسی شخص نے جواب دیا۔

میجر فوراً سمجھ گیا کہ کوئی شخص اسی سیڑھی سے کمرہ میں آیا اور پندرہ منٹ پہلے ہی اپنا کام کرنے کے بعد چلا گیا۔ آنے والے شخص کی جسمانی خوشبو، کیڑے مارنے والی تیز دوا کی خوشبو میں ختم ہو گئی جس کی وجہ سے ہاؤنڈ بے بس ہو چکا ہے اب وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مجبور ہو کر ہاؤنڈ کو واپس لے آیا۔ کمرے میں آکر نشی کی مدد سے اپنی ہر چیز قرینے سے رکھ کر فارغ ہوئے تھے کہ کمرے میں رکھے ہوئےیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو دوسری طرف سے کسی عورت کے پونے کی آواز آئی۔

”میجر صاحب! میں تسنیم فریدی بول رہی ہوں، مجھے افسوس ہے کہ میں نے کل آپ کی مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا اس کے لئے میں بے حد شرمندہ ہوں، آپ مجھ سے کس

مگنی؟ اس کیس کا ہر شخص اپنی جگہ خود ایک پہلی ہے اور ہر واردات بھی ایک پہلی ہے۔ اتنا کہنے کے بعد انہوں نے بتایا کہ وہ آج رات عشرت کلب میں جا رہا ہے۔ تمام ساتھیوں کو اپنا میک اپ ایسا کرنا ہے جس طرح کے لوگ اس قسم کی کلبوں کے ارد گرد منڈلاتے رہتے ہیں، کوکین، چرس، ایفون جیسی نشی چیزیں فروخت کرنے والے۔ ٹھیک ساڑھے سات بجے انسپکٹر مسعود، میجر عابدی کے پاس پہنچ گیا اور وہ دونوں عشرت کلب کی طرف چل پڑے۔ انسپکٹر مسعود نے راستے میں میجر سے پوچھا۔ ”آپ عشرت کلب میں کس لئے جا رہے ہیں؟“

”میرا خیال ہے کہ ناظم اس کلب میں آتا جاتا رہتا تھا۔ یہیں پر کسی ایسے شخص سے اس کی ملاقات ہوئی جو بعد میں اس کا قاتل بھی بن گیا۔ یقیناً ناظم کسی اہم راز سے واقف تھا اور یہی سبب اس کی موت کا باعث بنا۔ میرا اصل مقصد یہ ہے کہ مجھے وہاں جا کر یہ پتا لگ سکتا ہے کہ اس سے کون کون ملنے آتا تھا یا وہ کس کس سے ملا کرتا تھا یا پھر وہ اکثر کس کے ساتھ کلب میں آتا تھا؟ وہ کس راز سے واقف ہو گیا تھا وغیرہ وغیرہ؟“

وہ جب کلب کے صدر دروازہ پر پہنچے تو وہاں سخت پہرہ تھا کسی بھی شخص کو بغیر اس کا ممبری کا شناختی کارڈ دکھائے اندر جانے نہیں دیا جا رہا تھا۔ چنانچہ انسپکٹر مسعود کی کار کو بھی صدر دروازہ کے تندرست و توانا چوکیدار نے روک لیا۔ انسپکٹر نے اپنا شناختی کارڈ اسے دکھاتے ہوئے کہا کہ کلب کے میجر مسٹر احمد فراز سے ملنے کا وقت لے کر ملاقات کے لئے آیا ہے۔

”ایک منٹ ٹھہریے۔ صاحب۔“ اس نے اپنے کیبن سے کسی کو فون کیا۔ ریسپور رکھنے کے فوراً بعد اس نے کہا۔ ”آپ دوسرے لان میں اپنی کار پارک کیجئے گا۔“ انسپکٹر نے بتائے ہوئے لان میں کار روک دی اور میجر کے ہمراہ کار سے نکل آیا۔

میجر نے انسپکٹر سے پوچھا۔ ”آپ نے کلب کے میجر کو یہ تو نہیں بتایا کہ آپ کس گولارے ہیں؟“

”نہیں۔ میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ میرے ساتھ میرا ایک دوست بھی ہو گا؟“

میجر نے کلب کی عمارت پر ایک نظر ڈالی، عمارت دو منزلہ تھی، اوپر کی منزل کشادہ اور ہموار تھی، جس کا اوپری حصہ گنبد نما بنا ہوا تھا جو دیدہ زیب تھا۔ نیچے کی خوبصورت منزل میں کلب کے ملازم صاف ستھری مخصوص پوشاک پہنے

ہوئے تھے۔ کلب کے اندرونی دروازے میں بھی انہیں روک دیا گیا۔ انسپکٹر نے اپنا عمل پھر دہرایا۔ ڈیوٹی پر تعینات شخص نے کسی کو فون کیا۔ پھر ان کو بڑے بڑے ٹیشے والے دروازے کے اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ دروازے کے اندر داخل ہونے پر ایک بڑا ہال تھا جس میں مدہم روشنی ہو رہی تھی۔ ہال قیمتی فرنیچر اور عمدہ قالین سے آراستہ تھا۔ نوجوان خوبصورت لڑکیاں اپنے اپنے گلے میں چھوٹی چھوٹی خوبصورت ٹرے لٹکائے، سگریٹ، چاکلیٹ، پاپ کورز، ہیمبرگر، اور ہاٹ ڈوگ بیچ رہی تھیں۔ ایک میرے کے ہاتھ میں سوڈے سے بھرا ہوا جگ تھا۔ جس کی ٹرے میں سادہ کاغذ کی سلپ پڑی تھیں۔ جو کوئی بھی وہسکی کا گلاس اٹھاتا کاغذ کی سلپ پر اپنی ممبر شپ کا نمبر لکھ دیتا تھا۔

انسپکٹر مسعود نے ٹرے میں سے ایک گلاس اٹھا کر میجر کی سمت بڑھادیا اور دوسرے گلاس میں اپنے لئے لے کر کاغذ کی سلپ پر دو کاہندہ بنادیا اور نیچے اپنا نام بھی لکھ دیا۔ اپنے اپنے گلاسوں میں تھوڑا سوڈا ڈلوانے کے بعد وہ اس لڑکی کی طرف بڑھ گئے جو ٹرے اٹھائے سگریٹ وغیرہ فروخت کر رہی تھی۔ میجر نے گلاس رکھ کر ایک سگریٹ اٹھا کر اپنے منہ میں لگا لیا۔ اور عشرت کلب کی مخصوص ماچس میں سے ایک تیلی نکال کر توڑی۔ اس تیلی کے پیچھے کوئی نمبر نہیں تھا۔ گتے کی بنی خوبصورت ماچس کے کافی پیکٹ ٹرے میں تھے کسی بھی ماچس کی تیلی کی پشت پر نمبر نہیں تھا۔ میجر سوچنے لگا کہ ندیم کے موزے میں سے ملنے والی ماچس کی تیلی کے پیچھے نمبر کیوں تھے؟ جبکہ اس نے کلب میں فروخت ہونے والی ہر ماچس کو دیکھا ہے جن پر کوئی نمبر نہیں تھا۔

انسپکٹر مسعود اور میجر عابدی مہمانوں کے درمیان گھومتے رہے۔ یہ مہمان شہر کے رؤسا تھے۔ یہاں آنے میں میجر کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ جبار فریدی کی بیوی سے بھی ملنا چاہتا تھا۔ ہال میں حسین و خوبصورت خواتین کافی تعداد میں موجود تھیں لیکن ان میں مسز جبار فریدی نہیں تھیں۔ وہ دونوں اپنے اپنے گلاس لئے مہمانوں کے درمیان ادھر سے ادھر گھومتے رہے۔ میجر نے ایک دو مہمانوں سے ندیم کا حلیہ بتا کر بھی پوچھا لیکن سب نے یہی بتایا کہ اس جیلے کا کوئی بھی شخص انہوں نے کلب میں نہیں دیکھا۔

جیسے ہی انسپکٹر مسعود میجر کا خالی گلاس لے کر دو سرا بھرا گلاس لینے کے لئے ٹرے کی طرف بڑھا تو ہال کی سیڑھیوں پر شور مچا دیا۔ کوئی ادھیڑ عمر عورت چلا کر کہہ رہی تھی کہ کسی نے میری دو چیزوں میں سے ایک چیز نکال لی ہے میری وہ چیز

## دقت

زیڈ۔ اے۔ بخاری برسوں بعد  
ہندوستان آئے تو آل انڈیا ریڈیو کے  
عمیق حنفی نے اپنے آپ کو متعارف  
کراتے ہوئے کہا۔ ”میرا نام عمیق  
ہے۔“ جواب میں بخاری صاحب نے  
برجستہ کہا۔ ”بہت دقتی ہے۔“

ٹارزن جیسے کئی قاتلوں کا کئی بار مقابلہ کیا تھا اس لئے اس  
کے دل میں کسی بھی قسم کی فکریا ڈر ہرگز نہیں تھا وہ جانتا تھا  
کہ بھاری بھر کم لوگوں کی بہ نسبت دبلے پلے انسان زیادہ  
پھرتیلے ہوتے ہیں وہ آسانی سے ایسے لوگوں کو نیچا دکھا دیتے  
ہیں۔

ٹارزن کی آواز پر ہال کے تمام مہمان اپنی اپنی جگہ دیوار  
سے لگ کر کھڑے ہو گئے ان کو مطمئن پا کر ٹارزن نے پھرتی  
سے ایک مکا میجر کے پیٹ پر مارنا چاہا ہی تھا کہ میجر اپنی جگہ  
سے ہٹ گئے اور فوراً ”ہی اپنا بایاں ہاتھ اس کی آنکھ پر مارا  
ہی تھا کہ موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے انسپٹر مسعود نے اپنا  
ریوالتور نکال کر لٹکارتے ہوئے کہا ”تم نہیں جانتے کہ تم کس  
پر حملہ آور ہوئے ہو یہ ملک کے نامور اور شہرت یافتہ جاسوس  
مستر عابدی ہیں اگر کسی نے ان پر ہاتھ اٹھایا تو میں گولی مار  
دوں گا۔“ انسپٹر مسعود کی بات سن کر ٹارزن ٹھنک کر رہ گیا وہ  
اپنی دائیں آنکھ جھپک رہا تھا جس پر میجر نے الٹا ہاتھ مارا تھا۔  
انسپٹر صاحب گولی چلانے کی ضرورت نہیں، ٹارزن کو  
اینا بدلہ لینے دیجئے۔“ میجر نے کہا اور فوراً ”ہی ٹارزن کی اسی  
آنکھ پر پھر اپنا الٹا ہاتھ مارا“ اس کی آنکھ سے خون نکلنے لگا۔  
ٹارزن دوبارہ مکا کھاتے ہی غصے سے پاگل ہو گیا اور پوری  
طاقت سے میجر پر جھپٹا، میجر بیٹھ کر تیزی سے اس کی پشت پر  
پہنچ گیا اور پلک جھپکتے ہی ٹارزن کی ٹانگیں گھٹنوں سے پکڑ  
کھینچیں اور چھوڑ دیں۔ بھاری بھر ٹارزن زمین پر منہ کے بل  
گرا تو اس کی ناک سے خون بننے لگا۔ ہمت کر کے وہ دوبارہ  
اٹھا ہی تھا کہ میجر نے ایک اور بھرپور ہاتھ اس کی زخمی آنکھ پر  
مارا تو ٹارزن درد سے چیخ اٹھا۔

ٹارزن کی اس طرح درگت ہوتے دیکھ کر اس کا ساتھی  
آگے بڑھا تو میجر نے بغیر وقت ضائع کئے ایک بھرپور میکا اس

مجھے واپس دلائی جائے۔ میری یہ چیز قیمتی ہے۔ شریفوں کے  
کلب میں چوری! اگر یہاں شریف لوگ ہیں تو میری چیز مجھے  
دلائیں۔“ یہ کہتی ہوئی وہ عورت ہال کے اندر آگئی۔ وہ  
عورت ادھیڑ عمری میں بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔ سنگ  
مرمر کی طرح گوری چٹی اس کے بال کچھڑی تھے لیکن بہت  
قرینہ سے آراستہ تھے۔ اس نے اپنی ساڑھی کے اوپر  
”شرٹ کوٹ“ پہن رکھا تھا۔ اس نے اپنے شرٹ کوٹ کی  
اوپر والی جیب تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ”وہ چیزیں میری اس  
جیب میں تھیں اب صرف ایک ہے ہزار روپے کا  
نقصان۔“

خاتون کی یہ بات سن کر میجر اس کی طرف بڑھ گیا۔ اس  
کے قریب لوگوں کا ہجوم تھا۔ میجر نے جاتے ہی اس کی شرٹ  
کوٹ کی جیب میں جیسے ہی ہاتھ ڈالا عورت نے ایک بھرپور  
ہاتھ میجر کے گال پر رسید کر دیا اور زور سے بولی۔ ”تم۔۔۔ تم  
۔۔۔ میری دوسری چیز بھی اڑانا چاہتے ہو۔“

میجر عابدی نے عورت کی چیخ و پکار اور اس کے عمل کی  
بروائے بغیر وہ چیز شرٹ کوٹ کی جیب سے نکال لی۔ وہ عشرت  
کلب کی مخصوص ماچس تھی جس کی تیلی کے پیچھے نمبر چھپے  
ہوئے تھے۔ عورت اچک اچک کر میجر کے ہاتھ سے ماچس کو  
چھیننے کی کوشش کرنے لگی۔ کچھ لوگ اس کی مدد کے لئے  
آگئے تو میجر نے وہ ماچس اسے واپس کر دی۔ عورت ماچس کو  
لے کر چلائی۔ ”کوئی ایسا ہی نوجوان تھا جس نے میٹرھیوں پر  
میری دوسری ماچس نکال لی مجھے میری وہ ماچس بھی دلوانی  
جائے۔“ انسپٹر مسعود، میجر کی حرکت پر خود حیران تھا۔ لیکن  
میجر پر کسی بھی قسم کا اثر نہ تھا یکایک میجر کی نظر میٹرھیوں پر  
پڑی تو ٹارزن ایک پیشہ ور تندرست و توانا بد معاش کے ساتھ  
میٹرھیوں سے نیچے اتر رہا تھا۔ وہ دونوں شاندار سوٹ میں  
ملبوس تھے۔ ٹارزن نے پھٹی ہوئی بھاری آواز میں کہا۔ ”یہ  
کیسا شور ہے؟ اس کلب میں شور مچانے نہیں دیا جائے گا۔“  
عورت ڈر کر میجر کی طرف اشارہ کر کے جلدی سے بولی۔  
”اس نے میری ماچس چھیننے کی کوشش کی تھی۔“ اتنا سنتے ہی  
ٹارزن میجر کے پاس آگیا اور اپنی مخصوص پھٹی ہوئی آواز میں  
بولا۔ ”میں تم کو پہچانتا ہوں۔ میں کافی دنوں سے تمہاری  
تلاش میں تھا مجھے آج اس دن کا بدلہ لینا ہے۔“ اور پھر اس  
نے ہال پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”براہ مہربانی دیواروں سے  
لگ کر کھڑے ہو جائیے، میرے ہوتے ہوئے کلب میں کوئی  
ہنگامہ نہیں کر سکتا۔“

میجر کو اندازہ تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ اس نے



دیں گے۔ آپ کے کارناموں سے کون واقف نہیں آپ ہمارے مہمان ہیں آپ جیسی عظیم شخصیت کو اپنے درمیان پا کر ہم اپنے آپ کو خوش نصیب تصور کرتے ہیں اگر آپ جائیں گے تو ہم بھی چلے جائیں گے اور اس کلب کی ممبر شپ سے استعفیٰ دے دیں گے۔“ دو مشہور ممبران ایک ساتھ بول اٹھے۔

کلب کا مینجر سرفراز بے بس ہو کر واپس جانے لگا اور اس نے دونوں پہلوانوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم اپنی اپنی ڈیوٹی پر جاؤ۔“

اب کیا تھا ہر شخص مینجر کی خاطر تواضع کرنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ مینجر نے دس بجے میں پانچ منٹ پہلے ہی کھانے سے فارغ ہو کر مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان سے رخصتی کی اجازت لی اور انسپکٹر کے ساتھ کلب کے گیٹ پر آگیا۔ گیٹ پر پہنچ کر اس نے انسپکٹر مسعود سے کہا۔ ”اب میں اجازت چاہوں گا۔ آپ سے کل ملاقات ہوگی۔“

انسپکٹر مسعود سمجھ نہ سکا کہ مینجر نے کلب کے گیٹ پر ہی اس سے جانے کی اجازت کیوں لے لی۔ وہ مینجر کی پھرتی اور اس کے لڑنے کے انداز سے بہت ہی متاثر ہوا تھا اس لئے وہ ذہنی طور پر اس میں الجھا ہوا تھا۔

باہر والی سڑک پر پہنچ کر مینجر نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا وہ ہوشیاری سے کلب کی نگرانی کر رہے تھے مینجر نے انہیں اشارہ کیا تب ہی کلب کے گیٹ کے سامنے والی اندھیری گلی سے ایک عورت نکلی، روشنی میں آتے ہی اس کا چہرہ چمکنے لگا وہ تسنیم فریدی تھی۔

تسنیم فریدی نے مینجر کے قریب پہنچ کر اور اسے پہچانتے ہوئے کہا۔ ”مجھے دیر تو نہیں ہوئی؟“

”نہیں۔۔۔ آپ ٹھیک دس بجے پہنچی ہیں۔“ مینجر نے جواب دیا۔

”آئیے چلیں۔ اس گلی میں میری کار کھڑی ہے۔“

تسنیم فریدی بولی۔

مینجر اس کے ساتھ چل دیا اور موقع پا کر اس نے ساتھیوں کو تعاقب کرنے کا اشارہ کیا بھی کر دیا۔ شوٹی، ارشد کی کار سے آئی تھی جو گیٹ سے دور پیڑوں کے نیچے کھڑی تھی۔

”رات کے دس بجے ہم کہاں چلیں گے؟“ مینجر نے پوچھا۔

”میری ایک عزیز ترین سہیلی مس شہناز ہے جو کانسٹیبل

کی ٹھوٹھی پر رسید کر دیا مٹا کھاتے ہی وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کو اس طرح ڈھیر ہوتے دیکھ کر ایک اور ساتھی آگے بڑھا ہی تھا کہ انسپکٹر مسعود نے اپنا ریوالبور اس کی طرف تان کر کہا ”خبردار جو تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا۔“ وہ شخص سم کر اپنی جگہ کھڑا رہا۔

ہال میں موجود لوگ ٹارزن کی طرف دیکھ رہے تھے جو اپنی آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنی آنکھیں کھول کر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ مینجر عابدی کس جگہ ہے تاکہ اس پر حملہ کیا جاسکے لیکن آنکھیں بجائے کھلنے کے اور بند ہوتی جا رہی تھیں۔ آنکھوں میں شدید تکلیف کے باعث وہ ٹٹولتا ہوا میز اور کرسیوں سے ٹکراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ مینجر اس کے پیچھے کی طرف چلا گیا اور زور سے اس کو آگے کی طرف دھکیل دیا۔ زمین پر ایک زوردار چیخ کے ساتھ ٹارزن گر پڑا جس سے اسے مزید چوٹ آئی اتنے میں ایک خوش پوش نوجوان سیڑھیوں سے اتر کر ہال میں آکر بولا۔ ”یہ کیا شور تھا؟ یہ کس کی چیخ تھی؟“ یکایک اس کی نظر ٹارزن پر پڑی جو فرش پر بیٹھا اپنے خون کو صاف کر رہا تھا۔ ٹارزن کو اس حالت میں دیکھ کر وہ نوجوان حیران رہ گیا۔

”اس سے پہلے ایسا ہنگامہ کلب میں کبھی نہیں ہوا، کس نے ایسا کیا جاوید!“ اس نوجوان نے پوچھا۔

مہمانوں میں کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ مینجر عابدی کی طرف اشارہ کرتے لیکن ایک بیرے نے مینجر کی طرف اشارہ کر دیا۔ خوش پوش نوجوان نے انسپکٹر مسعود کو مینجر کے پاس کھڑا دیکھ کر کہا۔ ”انسپکٹر صاحب کیا آپ اپنے دوست کو میرے کلب کو بدنام کرنے کے لئے لائے ہیں؟ یہ بد معاش کون ہے؟“

”زبان سنبھال کر بولنے مسٹر سرفراز۔ بد معاش جیسی زبان میں تو آپ گفتگو کر رہے ہیں یہ میرے دوست مینجر عابدی ہیں ملک کے نامور جاسوس“ انسپکٹر مسعود نے پروقار لہجے میں کہا۔

”میں نہیں جانتا مینجر عابدی کون ہیں“ انسپکٹر صاحب اپنے دوست کو یہاں سے لے جائیے۔“ سرفراز نے کہا۔

”آپ ہمیں اپنے کلب سے اس طرح نہیں نکال سکتے مسٹر سرفراز۔“ انسپکٹر نے غصے سے کہا۔

”آئیے انسپکٹر صاحب! ہم خود ایسی جگہ نہیں رکنا چاہتے جہاں غنڈے اور پہلوان شریف انسانوں کو ڈرانے دھمکانے کے لئے ملازم رکھے جاتے ہوں۔“ مینجر نے کہا۔

”نہیں مینجر صاحب! ہم آپ کو اس طرح نہیں جانے

### محفوظ

ایک ڈاکو کی بیوی جیل میں اس سے ملنے پہنچی۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ڈاکو نے سرگوشی سے پوچھا۔ وہ جو میں نے ڈاکوں کا اسی لاکھ روپیہ بچا کر رکھا تھا۔ جسے پولیس بھی مجھ سے برآمد نہیں کرا سکی۔ وہ تو محفوظ ہے۔

ہاں۔ وہ جتنا محفوظ ہے اتنا شاید بنکوں میں بھی نہ ہوتا۔ بیوی نے کہا۔

کیا مطلب۔؟ ڈاکو نے مونچھے مروڑتے ہوئے پوچھا۔

جس خالی پلاٹ میں تم نے رقم دفن کی تھی۔ اس پر دس منزلہ پلازہ بن گیا ہے بیوی نے کہا۔

محمد حیات خان۔ راولپنڈی

ہوں۔

”مجھے تو آپ سے صرف اتنی مدد چاہئے کہ آپ عشرت کلب“ سے یہ پتا چلا دیں کہ ناظم اس کلب میں کبھی گیا تھا یا نہیں؟“ میجر نے کہا۔ ”اور اب آپ بتائیے کہ آپ کو مجھ سے کیسی مدد چاہئے؟“

”میجر صاحب! میں بہت پریشان ہوں، میری روح مجھے بے چین کئے ہوئے ہے؟“

”کیوں؟“

”میرا خیال ہے کہ ناظم کا قتل میری بھول کا نتیجہ ہے۔ میں ہی اس کی موت کا باعث ہوں۔“

مس تسنیم فریدی کی بات سن کر میجر بھونچکا رہ گیا اس نے فوراً پوچھا۔ ”کیا آپ ناظم کو جانتی تھیں؟“

”ناظم میرا منگیترا تھا۔ میں نے ہی اسے بیلاگم بلایا تھا کیونکہ میرے اپنے خاندان کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ مہ جنیں میری سوتیلی ماں، میرے والد کو پوری طرح قابو میں کرنے سے پہلے وہ میرے والد کو یہ بتادے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں اور ہم دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔“

”تو کیا ناظم آپ کے والد سے ملا تھا؟“ میجر نے پوچھا۔

”جی ہاں لیکن میری سوتیلی ماں نے انہیں درغلا دیا کہ وہ ناظم کے ساتھ میری شادی ہرگز نہ کریں چنانچہ وہ راضی نہ

اور پیتل کے چھوٹے چھوٹے مجسمے سجاوٹ کے لئے بناتی ہے اس کا گھر جو شوروم بھی ہے کریم آباد کی سڑک پر ہے اس کے مکان کی ڈپلیکٹ چابی میرے پاس ہے وہیں چلیں گے۔“ تسنیم نے کہا۔

کار کے پاس پہنچ کر تسنیم فریدی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی اور کار اشارت کر دی۔ گلی سے نکل کر کار جب سڑک پر دور تک آگئی تو میجر عابدی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ مسکرا اٹھا اس کے ساتھ ہی اس کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد تسنیم فریدی نے اپنی کار کریم آباد والی سڑک پر بنے ہوئے ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے پہنچ کر روک دی۔ اس مکان کا سامنے کا حصہ سچ مچ شوروم تھا۔

شوروم کی باہری جانب ایک کم پاور کالبلب روشن تھا۔ چھوٹی سی گیلری کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ تالے کو دیکھ کر میجر سمجھ گیا کہ مس شہناز گھر پر نہیں ہے۔ تسنیم فریدی نے ڈپلیکٹ چابی سے تالا کھول کر لائٹ آن کر دی میجر جب گیلری کے اندر پہنچا تو تسنیم نے گیلری کا دروازہ بند کر دیا یہ گیلری دو رہائشی کمروں کی طرف جاتی تھی ان دو کمروں میں ایک کمرہ بطور ڈرائنگ روم اور دوسرا بیڈ روم تھا۔ بیڈ روم سے متصل باتھ روم تھا اور اس کے پیچھے کچن تھا۔ تسنیم

فریدی میجر کو ڈرائنگ روم سے گزار کر بیڈ روم میں لے گئی اس نے جاتے ہی اپنا بیگ مسری پر پھینک کر میجر کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود مسری پر بیٹھ گئی لیکن میجر اس وقت دیوار پر لگے ہوئے ایک بڑے فوٹو کو دیکھ رہا تھا جو مجسمہ ساز مس شہناز کا معلوم ہوتا تھا۔ اس فوٹو کو دیکھ کر میجر

اپنی آنکھیں نہیں جھپکا رہا تھا اس کی نظریں فوٹو پر جمی ہوئی تھیں مس شہناز وہی عمر رسیدہ عورت تھی جس نے ”عشرت کلب“ میں شور مچا دیا تھا کہ کسی نے اس کی جیب سے اس کی چیز نکال لی ہے اور وہ چیز عشرت کلب کی مخصوص ماحس بھی جس کی تیلیوں کے پیچھے نمبر لکھے ہوئے تھے۔

”آپ اس فوٹو کو بہ غور کیوں دیکھ رہے ہیں؟“ تسنیم

فریدی نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔ اس فوٹو کو دیکھ کر مجھے اپنی حقیقی خالہ یاد آگئیں جو بالکل ایسی ہی تھیں۔ یہ فوٹو مس شہناز کا ہے نا؟“

میجر نے کرسی پر بیٹھے ہوئے کہا۔

”جی ہاں“ تسنیم نے جواب دیا اور پھر یاسیت سے بولی

میجر صاحب آپ مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتے ہیں؟ ویسے مجھے خود آپ کی مدد کی ضرورت ہے اس لئے میں چھپ کر آپ کے پاس گئی اور اپنے بنگلے کی بجائے اس جگہ لے کر آئی

ماچس تھی جو ناظم کے موزے سے برآمد ہوئی تھی اور جسے ٹیپ سلطان ہوٹل میں اس کے کمرے سے اس کے سامان الٹ پلٹ کرنے کے بعد چاکر لے گیا تھا میجر کے ہاتھ میں اس وقت جو ماچس تھی اس کی تیلیوں کے پیچھے وہی نمبر تھے جو ناظم کے موزے سے نکلی ہوئی ماچس کی تیلیوں کے پیچھے تھے۔

میجر عابدی نے وہ ماچس سنبھال کر اپنی جیب میں رکھ لی تو تسنیم فریدی نے پوچھا ”کیوں کیا ہوا؟“  
”مس تسنیم یہ ماچس آپ کو کہاں سے ملی؟“  
”عشرت کلب میں ایسی ماچس عام ملتی ہے۔“

میجر نے اور کچھ نہیں پوچھا وہ تسنیم کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا اس نے ماچس کی ایک تیلی کو توڑ کر جلا یا اس کا سیاہی مائل گلابی سرا جلنے کے بعد سفید ہو گیا۔ میجر نے جلی ہوئی تیلی سے اپنا سگار تو سلگایا لیکن اسے ماچس کی تیلی کے رنگ کی تبدیلی پر حیرانی تھی تیلی کو ایش ٹرے میں رکھنے کی جستجو میں اس کی نظر سامنے رکھی میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے پر پڑی وہ اس تیلی کو ایش ٹرے میں ڈالنے کے لئے وہاں تک گیا تو اسے دیکھ کر اور بھی حیرانی ہوئی اس ایش ٹرے میں چار پانچ جلی ہوئی تیلیوں کے علاوہ ماچس کے خالی پیکٹ بھی پڑے ہوئے تھے جلی ہوئی تیلیوں کے پیچھے اس کے نمبر دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

”مس شہناز ابھی تک نہیں آئی؟“ میجر نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”بہت دیر ہو چکی ہے پتا نہیں وہ کیوں نہیں آئی میں نے آپ کی کافی مدد کر دی ہے۔“ تسنیم فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

میجر عابدی نے مس تسنیم فریدی کی دی ہوئی ماچس اپنی جیب میں رکھ لی تو تسنیم ہچکچائی جیسے وہ یہ نہیں چاہتی ہوں کہ میجر اس کو لے جائے لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ وہ دونوں گیلری کا دروازہ بند کرنے کے بعد باہر نکلے تو میجر نے اپنے ساتھیوں کو چھپ کر ڈیوٹی دیتے دیکھا۔

چلے میں آپ کو آپ کے ہوٹل تک چھوڑ آؤں۔“  
مس تسنیم نے کہا۔

”شکریہ مس تسنیم میں ۲۸ ڈرگ روڈ پہنچ کر انیس مرزا سے اسی وقت ملنا چاہتا ہوں، آپ چلے پھر ملاقات ہوگی، شب بخیر“ میجر عابدی نے کہا۔ تسنیم اپنی کار میں جا بیٹھی اور گلی سے کار نکال کر مین روڈ پر فرار لے بھرتی چلی گئی۔ میجر نے اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر روزی اور ارشد سے کہا تم

ہوئے مجبوراً“ میرے سامنے اس کا ایک ہی حل تھا کہ وہ جبیں کو اپنے والد کی نگاہ سے گرایا جائے جس کے لئے یہ ضروری تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ بنگالی نوجوان ندیم کے ساتھ اس کے کیسے تعلقات ہیں اس کے علاوہ اور کس کس سے اس کے تعلقات ہیں؟ ناظم نے یہ ذمہ داری اپنے اوپر لی اور نتیجے میں وہ مارا گیا۔“

”ناظم کو کسی بات کا پتا چلا تھا؟“  
”وہ بس اتنا ہی پتا لگا پایا تھا کہ وہ جبیں کا ایک نہیں بلکہ دو ملاقاتی ہیں۔ ندیم اور انیس مرزا، ندیم بنگالی ہے اور انیس سندھی۔“

انیس مرزا کہاں رہتا ہے؟“  
”۲۸ ڈرگ روڈ“ تسنیم فریدی نے بتایا جسے میجر نے نوٹ کر لیا۔

”ناظم کے ساتھ عفت رحمان نام کی جس لڑکی کا قتل ہوا تھا وہ کون تھی؟“

”وہ شاید انیس مرزا کی محبوبہ تھی۔ ناظم نے اسی سے وہ جبیں اور انیس مرزا کے تعلقات کا پتا لگایا تھا۔“

”اور وہ لڑکی کون تھی جو گلابی رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی جیسے ناظم ”سائڈوے موٹل“ میں لے گیا تھا؟“ کیا اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جا کر آپ کے ساتھ بے وفائی نہیں کی تھی؟“

”نہیں“ یہ کہتے ہوئے اس کی زبان لڑکھڑا گئی پھر وہ تیزی سے بولی ”وہ رضیہ صدیقی تھی۔ بے چاری اسی دن سے غائب ہے۔ وہ ناظم کو اپنے منیکٹر ندیم کی زندگی کے حالات اور اس کے پیشے کے متعلق تفصیل سے بتا رہی تھی۔“

”رضیہ صدیقی کیا کرتی ہے؟“  
”وہ ایک ماڈل گرل ہے کہتے ہیں کہ ندیم اسے مختلف شہروں میں لے جاتا تھا اس سے ماڈلنگ کراتا ہے اور سارا روپیہ اپنی تحویل میں رکھتا ہے۔“  
”رضیہ صدیقی کہاں رہتی ہے؟“  
”پنجاب ہوٹل میں۔“

میجر کافی تھک چکا تھا اس نے سگار جلانے کے لئے لائٹر نکالا لیکن پٹرول نہ ہونے کے وجہ سے وہ جل نہ سکا تو تسنیم نے کہا ”نھریے میں آپ کو مخصوص ماچس دیتی ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنے پرس سے عشرت کلب کی مخصوص ماچس نکال کر میجر کو دی۔ میجر نے ماچس لے لی۔ اس کی آٹھ تیلیاں استعمال کی جا چکی تھیں۔ میجر نے باقی تیلیوں کا پچھلا حصہ دیکھا تو ماچس اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے پچی یہ وہی

ایک نوجوان کو میرے پیچھے لگایا اور اب ایک عورت میری نگرانی کر رہی ہے میں نے اندھیرے میں اسے دیکھا تھا، بڑی مشکوک عورت ہے اس کے پاس دو ٹانگوں والا ایک بڑا کتا ہے جس کا پٹہ وہ اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے وہ سفید موم جاے جیسے کپڑے کا کوٹ پہنے ہوئے تھی۔

”دو ٹانگوں والا کتا؟ تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟ کیا کتا بھی دو ٹانگوں والا ہوتا ہے؟ اور کان کھول کر سن لو میں نے نہ تو کسی نوجوان کو تمہارے پیچھے لگایا اور نہ میں اس عورت کو جانتی ہوں جس کے پاس تمہارے وہم کے مطابق دو ٹانگوں والا کتا ہے تم نے میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا؟ بتاؤ کل رات تم کہاں تھے۔“

اگر تم یہ جانتی ہو تو میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ تین چار دن پہلے وہ ”سائڈوے موٹل“ کے پاس مجھے ایک لڑکی ملی تھی رات کا وقت تھا اور سڑک بھی سنسان تھی وہ بہت ہی ڈری اور سہمی ہوئی تھی اس نے مجھ سے مدد مانگی۔ میں نے اس کی مدد کی اور تم یہ جان کر حیران ہو گئی کہ اس نے اگلے دن صبح گھر جانے سے انکار کر دیا اس نے خود ہی کہا کہ وہ میرے پاس کچھ دن اور رہنا چاہتی ہے۔



”کہاں ہے وہ؟“ مہ جیس نے پوچھا۔  
”یہ نہیں بتاؤں گا۔“

”دعا باز۔“ مہ جیس نے پھر نفرت سے کہا۔

”تمہاری گالیاں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں، سنو مجھے اب اس لڑکی کے پاس جانا ہے وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی تم چاہو تو میری واپسی تک یہاں رک سکتی ہو۔“ فی الوقت وہ میری پناہ میں ہے۔

”اس کا مطلب ہے کہ آج ہمارا رشتہ ٹوٹ رہا ہے۔ اچھی بات ہے لیکن مجھے اپنا روپیہ چاہئے پورا پندرہ ہزار۔“  
”روپیہ جب میرے پاس ہو گا دے دوں گا، بیشک میں تمہارا قرض دار ہوں، لیکن اس وقت تمہارا قرض نہیں چکا سکتا نہ ہی میں تم سے قطع تعلق کر رہا ہوں۔ تم خود ہی سب کچھ کہہ رہی ہو میں نے تو صرف ایک بے بس لڑکی کی مدد کی ہے۔“

”ایک بات گرہ میں باندھ لو، اگر دو تین دن کے اندر تم نے میرا تمام روپیہ واپس نہیں کیا تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔ یہ کھوکھلی دھمکی ہرگز نہیں ہے۔ ادھر دیکھو یہ کیا ہے؟ یہ ۳۸ بور کا اصلی پستول ہے نقلی نہیں۔ اس کی گولی سینے سے پار ہو کر پیٹھ سے نکل جاتی ہے۔“

پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔ مہ جیس نے کہا ”میں

یہیں ٹھہرو“ ابھی ابھی میں مس تسنیم کے ساتھ جس مکان سے نکلا ہوں وہ مکان مس شہناز کا ہے تم یہاں رک کر دیکھو کہ وہ واپس کس وقت آتی ہے، اکیلی ہوتی ہے یا اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہوتا ہے۔ شوہنی اور نشی تم دونوں ارشد کی کار میں میرے ہمراہ ڈرگ روڈ چلو، میں وہاں اتر جاؤں گا تم کار کو سڑک کے کنارے پارک کرنے کے بعد میرا پیچھا کرنا اور جب میں اشارہ سے تم کو بلاؤں تم آ جانا۔“

ارشد اور روزی مس شہناز کے مکان کی نگرانی کرنے کے لئے وہاں رک گئے۔ میجر، شوہنی اور نشی ڈرگ روڈ پہنچ گئے میجر کار سے اتر گیا، شوہنی اور نشی کار پارک کرنے کے بعد اس کا پیچھا کرنے لگیں۔ ۲۱۹ نمبر مکان تلاش کرنے میں انہیں پندرہ بیس منٹ لگ گئے وہ مکان بہت چھوٹا تھا۔ آگے پیچھے چھوٹے چھوٹے دو کمرے تھے جس کے ایک کمرے میں روشنی تھی۔ اسی کمرے کی باہری کھڑکی ادھ کھلی تھی جس پر موٹا پردہ پڑا ہوا تھا۔ میجر دبے پاؤں اس کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔

”انیس، خدارا میری بات دھیان سے سنو۔“ یہ ایک نسوانی آواز تھی۔

”ڈیر، تمہاری بات ختم ہی نہیں ہو رہی حالانکہ میں صرف تمہاری ہی بات سن رہا ہوں۔“ ایک مردانہ بھاری آواز آئی۔

میجر عابدی نے موقع پا کر تھوڑا سا کپڑا ہٹا کر اندر دیکھا ایک سجا ہوا کمرہ تھا۔ ایک عورت اور ایک مرد جسے عورت نے انیس کہہ کر مخاطب کیا تھا صوفہ پر بیٹھے تھے۔

میجر نے دیکھا اس عورت کی عمر تیس، چوبیس سال کی تھی، خوبصورت تھی ہلکے فیروزی رنگ کی ساڑھی اور اسی رنگ کے بلاؤز میں اچھی لگ رہی تھیں، ریشمی بال کسی قدر بھورے تھے۔ میجر نے فوراً اندازہ لگایا کہ وہ ”مہ جیس“ ہے۔ میجر نے پردہ گرادیا اور ان کی باتیں سننے لگا۔

”تم کل رات کہاں تھے؟“ عورت نے پوچھا۔  
”ڈیر مہ جیس۔ میں کل رات یہیں تھا۔“

”نہیں تم یہاں نہیں تھے۔ میں نے دوبار تم کو فون کیا تھا کسی نے ریسیو نہیں کیا۔“

”میں نے ریسیور جان بوجھ کر نہیں اٹھایا تھا۔“ انیس مرزا نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ تم مجھ سے اکتا گئے ہو۔“ مہ جیس بولی۔

”نہیں۔۔۔ تنگ تو تم آچکی ہو مجھ سے۔ تم نے پہلے

جاری ہوں، دنوں کو یاد رکھنا۔“

میجر عابدی دبے پاؤں پیچھے لوٹا اور باڑھ پر سے کود کر نشی اور شوہی کے پاس پہنچ گیا وہ اس وقت اندھیرے میں کھڑی تھی۔ میجر نے شوہی سے کہا۔ ”ابھی ابھی سابق فلمی رقاصہ مہ جبین مکان سے باہر آئے گی اس کا پیچھا کرنا اگر تم کر سکو تو ایک کام اور بھی کر لینا وہ یہ کہ کسی طرح جبار فریدی کے عالیشان بنگلے میں داخل ہو کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ اس کی معمر چچی مسز رضیہ فریدی بنگلے کے کس حصے میں رہتی ہے۔“

”مجھے امید ہے کہ میں اس کام کو کر سکوں گی۔“ شوہی نے پر یقین ہو کر کہا۔

غصے میں بھری ہوئی مہ جبین مکان سے باہر نکلی تو شوہی اس کے پیچھے پیچھے چل دی میجر اور نشی اندھیرے میں اپنی جگہ کھڑے رہے میجر نے آہستگی سے نشی سے کہا۔ ”ابھی ابھی انیس مرزا باہر آئے گا ہم دونوں اس کا پیچھا کریں گے۔“

تھوڑی دیر بعد انیس مرزا مکان سے باہر نکلا جب وہ ان دونوں کے پاس سے گزرا تو میجر نے دبی آواز میں نشی سے کہا۔ ”میں انیس کے پیچھے جاتا ہوں تم اپنی کار سڑک پر لے آؤ۔“

میجر اندھیرے میں انیس کا پیچھا کرتا رہا۔ انیس سڑک پر پہنچ کر کسی خالی ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا نشی بھی اپنی کار سڑک پر لے آئی اتنے میں ایک خالی ٹیکسی آئی تو انیس مرزا اس ٹیکسی کو رکوا کر اس میں جا بیٹھا۔ میجر بھی لپک کر اپنی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا اور پھر وہ آگے جانے والی ٹیکسی کا پیچھا کرنے لگا۔

☆

ادھر گاندھی گارڈن میں ایک خوبصورت لڑکی اندھیرے میں ڈوبی ایک سنان سڑک کو پار کر رہی تھی اور ایک عورت اس لڑکی کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ عورت سفید موم جیسے کپڑے کا کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس کے سر کے بال گلدستے کی شکل میں بندھے ہوئے تھے خلاف معمول اس کی آنکھیں زیادہ چمکیلی تھیں اور وہ اندھیرے میں مثل بجلی کی آنکھوں کے چمک رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ پاؤڈر تھا ہوا تھا اور اس عورت کا پیچھا کرنے والا ایک اور شخص تھا جو ایک لمبے چوٹے کی مانند اور کوٹ پہنے ہوئے تھا اور جس کے سر پر چمچے دار ٹوپی آگے کی طرف جھکی ہوئی تھی۔

خوبصورت لڑکی کا تعاقب گلدستے جیسے بالوں والی

عورت کر رہی تھی اور اس کا پیچھا سفید چوٹے کی مانند کوٹ والا ایک پستہ قد آدمی کر رہا تھا۔ خوبصورت لڑکی بے انتہا گھبرائی ہوئی تھی وہ ایک گلی سے مڑ کر دوسری گلی میں تیز قدموں سے بھاگنے والے انداز میں جا رہی تھی اس گلی کے پانچویں مکان کا گیٹ کھول کر لان میں پہنچ گئی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے کوئی دکھائی نہیں دیا اس نے برآمدے میں پہنچ کر دروازے کا تالا کھولا اس درمیان میں اپنے پیچھے آنے والے پستہ قد آدمی کو نہ دیکھ سکی۔ وہ تالا کھول کر اندر پہنچی ابھی وہ اندر کی چٹنی بھی نہ لگا پانی تھی کہ کسی نے زور سے دروازے کو دھکا دیا۔ اس دباؤ سے وہ پیچھے کی طرف جا گری اور دروازہ اندر سے بند نہ کر سکی۔ زمین پر گری ہوئی لڑکی پر وہ سفید پوش اجنبی شخص اندر آ کر گر پڑا اس نے فوراً ہی باتیں ہاتھ سے اس کا منہ بند کر دیا۔ اس شخص کا بایاں ہاتھ گورا اور دایاں ہاتھ کالا تھا۔ دائیں ہاتھ میں ایک کانٹا تھا اس نے پوری طاقت سے وہ کانٹا اس خوبصورت لڑکی کی گردن میں مارا اور پھر فوراً ہی باہر کی جانب کھینچ لیا۔ کانٹے کو نکالنے کے بعد اس نے وہ کانٹا چوٹے کی جیب میں رکھا اور لڑکی کو گھسیٹ کر دیوار کے پاس رکھی ہوئی کرسی کے قریب لے گیا۔ اس نے اس لڑکی کو کرسی پر بیٹھنے کے انداز میں بٹھا دیا۔ یہ ظاہر کمرے میں اندھیرا تھا لیکن کے باہر بلب کی ہلکی روشنی کمرے کے اندر آرہی تھی۔

پھر وہ پستہ قد آدمی کمرے سے باہر نکل گیا دور سے اس کے بارے میں یہ کہنا مشکل تھا کہ اس لباس میں وہ کوئی عورت ہے یا کوئی مرد۔ اس نے دروازہ آہستہ سے بند کیا اور دبے پاؤں اس عورت کے پاس پہنچ گیا جو ایک پیڑ کے نیچے کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

”تم اپنا کام ٹھیک ڈھنگ سے کر کے آئے ہونا؟“ اس عورت نے پوچھا۔ پستہ قد نے اقرار میں سر ہلا دیا وہ دونوں اندھیرے میں کہیں غائب ہو گئے۔

کچھ ہی دیر بعد انیس مرزا نے اس مکان کے سامنے اپنی ٹیکسی رکوائی۔ اس نے ٹیکسی کو کرایہ دیا اور مکان کے گیٹ سے ہو کر صدر دروازہ تک پہنچ گیا۔ مکان کے اندر صرف اسٹریٹ لائٹ کی روشنی آرہی تھی۔ دروازہ ہلکا سا بند پا کر اس نے آہستہ سے پکارا۔ ”آصفہ“

اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ میجر اور نشی بھی اس مکان کے پاس پہنچ گئے تھے۔ میجر دبے پاؤں کار سے نکل کر انیس مرزا کے پیچھے پہنچ گیا۔ جب انیس مرزا دروازے کو دھکا دے کر اندر پہنچ گیا تو میجر لپک کر

سن چکا ہوں مجھے یہ بتائیے کہ آصف کا قاتل کون ہو سکتا ہے؟

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ انیس نے قدرے کانپتے ہوئے کہا۔

”میں نے اس کی کپکپی سے اندازہ لگایا کہ وہ یقیناً آصف کے قاتل کو جانتا ہے۔ وہ بغور انیس کو دیکھنے لگا۔

”میں نے جیب سے سگار اور سنیم زیدی کی دی ہوئی ماچس نکالی تو انیس مرزا اس ماچس کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ میں نے گتے کی تیلی جلائی تو انیس مرزا کے منہ سے بے ساختہ نکلا ”نہیں“ نہیں اس سے سگریٹ یا سگار نہیں جلائی جاتا۔“

”کیوں؟“ میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا۔

”کچھ نہیں آپ شوق سے اپنا سگار جلائیے۔“ انیس مرزا نے جلدی سے کہا اور میں نے جیب سے ماچس لے کر اس کو بہ غور دیکھنے لگا۔ ماچس واپس کرتے ہوئے اس نے میں سے کہا ”میں نے یوں ہی کہہ دیا تھا آپ شوق سے سگار جلائیے۔“

”آپ کوئی بات چھپا رہے ہیں۔“ میں نے کہا۔

انیس مرزا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کو خاموش دیکھ کر میں نے خود ہی کہا۔ ”انیس مرزا جھوٹ بولنے سے آپ کا بھلا ہرگز نہیں ہوگا۔“ اس کو گہری نظروں سے دیکھنے کے بعد یکایک اس نے پوچھا۔ ”کیا آپ سندھی ہیں؟“

”ہاں۔“

”نہیں آپ سندھی نہیں ہیں، بنگالی ہیں اور آپ کا نام انیس مرزا نہیں بلکہ ندیم ہے۔ آپ نے دو مختلف نام اور دو الگ الگ صوبوں کے رہنے والوں کے دو روپ کیوں اختیار کر رکھے ہیں؟“ میں نے سختی سے پوچھا۔

”یہ سن کر انیس مرزا کی سٹی گم ہو گئی۔ اس نے میں سے نظریں ہچاتے ہوئے کہا۔ ”آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے میری اصلی شخصیت کو پہچانا ہے۔ بے شک میں ندیم ہوں اور میں نے محض مہ جیس کی خاطر یہ ڈھونگ رچایا ہے۔“

”آخر کیوں؟“

”وہ اس لئے کہ مہ جیس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں میک اپ میں رہوں اس لئے مجبوراً میں نے سندھی کا میک اپ کر لیا تھا۔“

”لیکن کیوں؟“

”آپ مسز جیس کو نہیں جانتے وہ بے انتہا چالاک، گھمنڈی اور نہ جھکنے والی شخصیت ہے۔ مسز جبار فریدی یہ

جنہوں کے بل صدر دروازہ تک جا پہنچا۔

انیس مرزا نے کمرے کے اندر جا کر پکارا۔ ”کہاں ہو، آصف؟“ لیکن اس بار بھی اس کو جواب نہیں ملا جیسے ہی اس نے سوچ آن کر کے روشنی کی ویسے ہی میجر عابدی نے کمرے میں قدم رکھا۔

انیس مرزا سامنے کی طرف حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا خون خشک ہو گیا تھا اور وہ پتھر کی مورتی بنا کھڑا ہوا تھا۔ میں بھی انیس مرزا کے پیچھے پہنچ کر اس منظر کو دیکھ کر ٹھک گیا تھا۔ سامنے کی دیوار کے ساتھ ہی ایک خوبصورت لڑکی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی جس کا سر پیچھے کی طرف ڈھلکا ہوا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ کرسی کے بازوؤں پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس کی گردن سے ابھی تھوڑا تھوڑا خون ریں رہا تھا۔ اس لڑکی کی پھیلی ہوئی بے نور آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ زندہ نہیں ہے۔

انیس مرزا گھبرا کر پیچھے کی طرف پلٹا تو میں سے ٹکرا گیا۔ اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ ”تم۔ تم کون ہو؟ کیا تم نے ہی آصف کا خون کیا ہے؟“

”نہیں مسٹر انیس میں قاتل نہیں، میں تو میجر عابدی ہوں۔ شاید تم نے میرا نام سنا ہو۔“ میں نے اسے تسلی آمیز لہجے میں بتایا۔

”میجر عابدی۔۔۔!“ لیکن آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ اور آپ یہاں کیسے پہنچے؟“ انیس نے پوچھا جو میں نے مرزا سے اپنا نام سن کر اور بھی زیادہ حیران ہو گیا تھا۔

”انیس صاحب۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ مسز مہ جیس کی گولی سے بچ کر آرہے ہیں اور میں آپ کا پیچھا کرتا ہوا آ رہا ہوں۔“

”آپ۔۔۔ آپ ڈرگ روڈ والے میرے مکان سے میرا پیچھا کرتے آرہے ہیں؟“ انیس کی ہکلاہٹ اور بھی بڑھ گئی۔

”بیٹھ جائیے مسٹر انیس اور میرے سوالوں کا جواب دیجئے۔“

انیس پہلے سے ہی ذہنی طور پر بہت پریشان تھا پھر اس کی ذہنی الجھن آصف کی اتفاقیہ موت سے اور بھی زیادہ ہو گئی تھی کہ یکایک ایک نامور جاسوس سے اس کی ٹڈ بھٹ ہو گئی جس کی وجہ سے وہ بوکھلا گیا۔ وہ خاموشی کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ”آصف سے آپ کی ملاقات کس طرح ہوئی وہ میں

”میں نے کسی کو قتل نہیں کیا؟“ انیس مرزا عرف ندیم نے یقین ہو کر کہا۔

”کیا آپ نے اس دن موٹل کے پیچھے کسی کو دیکھا تھا؟ ایسے آدمی کو جس نے عفت رحمان کو قتل کرنے کے بعد اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہو۔“

”نہیں میں نے کسی آدمی کو نہیں دیکھا، آصفہ جب مجھے ملی تو میں اسے بچانے کے لئے فوراً یہاں لے کر آگیا۔“

”مسٹر ندیم! میک اپ کارنر کی سیلر گرل مس صفیہ آپ کے فردوس بلڈنگ والے کمرے میں مردہ پائی گئی ہے اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ وہ آپ کے کمرے میں گئی اور اسے مار ڈالا گیا؟ اس کو آپ نے مارا اور واردات کرنے کے بعد سندھی نوجوان انیس مرزا کے میک اپ میں وہاں سے بھاگ آئے۔“

”نہیں۔۔۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں میں قاتل ہرگز نہیں میں مس صفیہ کو بالکل نہیں جانتا۔ میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ میرے فردوس بلڈنگ والے مکان میں کیونکر پہنچی اور کس طرح اور کس نے اس کی جان لی ہے۔“

”ٹھیک ہے آپ نے کھل کر بات کی ہے اور آپ کافی حد تک سچ بولتے بھی دکھائی دے رہے ہیں لیکن مجھے آپ کی دو باتوں پر شک ہے۔“

”کن باتوں پر؟“

”ایک اس بات پر کہ ان ماچس کی تیلیوں کو سگریٹ جلانے کے کام میں نہیں لایا جاتا، بلکہ کسی اور کام لایا جاتا ہے دوسری بات یہ کہ آپ مس آصفہ کے قاتل کو جانتے ہیں؟“

انیس مرزا عرف ندیم بڑی گہری نظروں سے میجر عابدی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میں آپ کے ان دونوں شکوک کو کل صبح دور کر سکتا ہوں۔ میں یہاں سے اپنے ڈرگ روڈ والے مکان میں جاؤں گا۔“

”آپ کیسے جاسکتے ہیں؟ آپ کے اس مکان میں آصفہ کی لاش پڑی ہے، پولیس کو اطلاع دینی ہوگی؟“ میجر نے کہا۔

ندیم کچھ سہم گیا۔ اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ دیا سلائیاں کس کام میں آتی ہیں اور آصفہ کا قاتل کون ہو سکتا ہے تو اس سلسلے میں آپ کو میری تھوڑی سی مدد کرنی ہوگی۔ کل صبح میں آپ کی ایسی مدد کروں گا کہ آپ میرا احسان ماننے لگیں گے۔“ ندیم نے کہا۔

”اگر میں آپ کی تجویز مان لوں تو مجھے آپ کی کیا مدد کرنا ہوگی؟“ میجر نے پوچھا۔

شک کرنے لگے تھے کہ وہ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی میں غدار کر رہی ہے تو اس نے انجم زیدی کے ذریعہ یہ پتا لگانے کی کوشش کی کہ اس کے کون کون سے شناسا ہیں اور کس کس سے اس کے تعلقات ہیں۔ یہ جان کر مسز جبار فریدی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے غصے اور گھمنڈ میں آکر اپنے شوہر کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کے تعلقات دو الگ الگ شخصیتوں سے ہیں حالانکہ صرف مجھ سے ہی اس کا میل جول تھا۔ اسی لئے اس نے مجھے بھی یہ صلاح دی کہ میں سندھی کا میک اپ کر کے یہ اظہار کروں کہ اس کے دو شناسا ہیں۔ اس نے مجھے ایک کمرہ ”فردوس بلڈنگ“ اور ایک ڈرگ روڈ پر کرایہ پر لے کر دیا۔ ندیم کے نام سے بلڈنگ فردوس میں اور انیس مرزا بن کر ڈرگ روڈ والے مکان میں رہتا ہوں۔ اس کے علاوہ مسز جبین نے ایک ملازم بھی ڈرگ روڈ والے مکان میں دے رکھا ہے۔“

میجر عابدی متعجب ہو کر انیس مرزا یعنی ندیم بنگالی کی کہانی سننا رہا۔ ”اور یہ مکان کس کا ہے؟ جس میں بیٹھے ہیں؟“ میجر نے پوچھا۔

”یہ میں نے کرایہ پر لے رکھا ہے۔ مسز جبین کے مراسم سے پہلے میں اسی مکان میں رہتا تھا۔ اسے اس جگہ آنا پسند نہیں تھا۔ ایک کمرہ اور مکان مل جانے پر بھی میں نے اس مکان کو نہیں چھوڑا۔“

”مس آصفہ میری شریک کار تھی۔ وہ پنجاب ہوٹل میں رہتی تھی۔ اس ڈر سے کہ کہیں مسز جبین کو آصفہ کا علم نہ ہو جائے میں اکثر اس سے اسی مکان میں ملا کرتا تھا۔“

”انیس بابو۔ آپ نے مسز جبین کو بتایا تھا کہ آپ کی مس آصفہ سے ساڈوے موٹل میں اچانک ملاقات ہوئی تھی۔ آپ نے اس پر رحم کیا۔ لیکن آپ مجھے جو کہانی سنا رہے ہیں اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ سے آصفہ کی اچانک ملاقات۔“

”مسز جبین سے میں اور کیا کہتا! میں آصفہ اور اپنے تعلقات کو جو کافی پرانے ہیں ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن نہ جانے مجھے آج کیا ہو گیا کہ میں نے خود ہی اس سے اپنے اور آصفہ کے تعلقات کا اظہار کر دیا۔ میں ساڈوے موٹل اچانک نہیں پہنچا تھا بلکہ مجھے پتا چلا تھا کہ ناظم آصفہ کو کہیں لے گیا ہے۔ اچانک میرا ذہن ساڈوے موٹل چلا گیا۔ میں وہاں اس وقت پہنچا جب وہ ڈری سہمی ہوٹل سے نکلی پھر میں اسے یہاں لے آیا۔“

”کیا آپ نے عفت رحمان اور ناظم کو قتل کیا ہے؟“



## ترمیم

ایک کروڑ پتی شخص نے ڈاکٹر سے کہا۔ تم ایک بڑے ڈاکٹر ہو۔ میں سوچ رہا ہوں کہ یہ حقیر سائل ادا کر کے تمہاری توہین کرنے کی بجائے اپنی وصیت میں تمہارے لئے کچھ حصہ شامل کر لوں۔

بست عمدہ خیال ہے۔ ڈاکٹر خوش ہو کر بولا۔ ذرا نسخہ تو دیجئے جو میں نے ابھی ابھی لکھا ہے۔ میں اس میں ذرا اسی ترمیم کرنا چاہتا ہوں۔

جی۔ ایچ۔ وحید۔ (پنجاب)

”جوگی! اندر سے مسز رضیہ نے تجب سے کہا۔“  
”اوہ۔ تم بہت دنوں بعد یہاں کیسے آگئے۔ میں تو سمجھی تھی کہ تم جھوٹا اور فریبی ہو، کیا تم اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے آئے ہو؟“

”ہاں۔! شوبی نے بھاری آواز بنا کر کہا۔  
مسز رضیہ فریدی نے دروازہ کھول دیا لیکن جوگی کی جگہ ایک عورت کو دیکھ کر وہ آنکھیں جھپکانے لگیں۔ پھر اس نے سنبھل کر پوچھا۔  
”تم کون ہو؟“

”مسز رضیہ! آپ دروازے میں جوگی کو نہ پا کر حیران ہو رہی ہیں۔“

”میں پوچھ رہی ہوں کہ تم کون ہو؟“ مسز رضیہ بولی۔  
”مجھے آپ کے جوگی نے بھیجا ہے، اندر چلے تاکہ میں آپ کو ان کا خاص پیغام دے سکوں۔“ رضیہ ایک طرف ہٹ گئی اور شوبی کمرے میں چلی گئی۔

”تم جوگی کی کون ہو؟ تم جھوٹ بول رہی ہو۔ نئے زمانے کی عورت اور جوگی کا ساتھ؟ دو مختلف اور بے جوڑ باتیں ہیں۔ سچ بتاؤ تم کون ہو؟“ مسز رضیہ نے اپنے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں، میں جھوٹ بول رہی ہوں، میں کسی جوگی کا پیغام لے کر نہیں آئی، میں مشہور جاسوس میجر عابدی کی اسٹنٹ ہوں۔ ہم عفت رحمان، ناظم، مس صفیہ، انجم زیدی، عروج مہدی کی واردات قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔“

”میں نے اخبارات میں پڑھ لیا ہے، کیا تم یہ سوچ رہی

”آج کی رات آپ مجھے پولیس کے سامنے نہ آنے دیں کل صبح میں آپ کے ساتھ پولیس اسٹیشن چلوں گا۔ بہت ممکن ہے کہ میں اس وقت اس حالت میں ہوں کہ پولیس اور آپ کو آصفہ کے قاتل کا نام بھی بتا سکوں۔“  
”اچھی بات ہے لیکن یہ یاد رکھئے کہ اگر آپ نے فرار ہونے کی کوشش کی تو آپ کے لئے اچھا نہ ہو گا آپ جاسکتے ہیں۔“

ندیم نے میجر عابدی کا شکریہ ادا کیا اور دروازے کی سمت بڑھنے لگا تو انہوں نے پوچھا۔ ”یہاں ٹیلی فون کس مکان میں ہے؟“

”اس مکان سے چوتھے والے مکان میں، بھلے انسان ہیں گو کہ رات کافی بیت چکی ہے پھر بھی وہ ٹیلی فون کرنے دیں گے۔“ ندیم نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ میجر عابدی انسپکٹر مسعود کو فون کرنے کے لئے چوتھے مکان کی طرف چل دیا۔



ادھر میجر انسپکٹر مسعود کو فون کرنے کے لئے جا رہا تھا اور ادھر شوبی جبار فریدی کے بنگلے تک مسز رضیہ جیس کا پیچھا کرتی ہوئی پہنچ گئی تھی۔ اس نے اپنی ٹیکسی بنگلے سے ذرا فاصلے پر رکوا کر ٹیکسی ڈرائیور کو انتظار کرنے کے لئے کہا۔ بنگلے کے قریب وہ یہ سوچنے لگی کہ بنگلے کے کسی ملازم سے ملنا چاہئے یا بنگلے کی چار دیواری پھاند کر احاطے میں داخل ہونا چاہئے۔ وہ چار دیواری پھاند کر اندر احاطے میں پہنچ گئی۔ برآمدے میں پہنچ کر وہ دروازے سے اوپر چڑھی اور پیچھے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے پر سے پھسلتی ہوئی اوپر کی گیلری میں اتر گئی۔ رات کافی جا چکی تھی۔ دو کمروں کے علاوہ تمام کی روشنی گل تھی۔ ان دو کمروں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ اس نے ایک کمرے کی کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تو دن بھر کی چٹکی ہاری ملازمہ کو بستر تھیک کرتے ہوئے پایا۔ شوبی اس کمرے کو چھوڑ کر دبے پاؤں دو سرے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو ایک عمر رسیدہ عورت کو عبادت میں مشغول پایا۔ اس نے بغور دیکھا۔ اس عورت کے چہرہ پر نور تھا۔ چہرہ پر کافی جھریاں ہونے کے بعد بھی اس کی جاذبیت برقرار تھی۔ شوبی سمجھ گئی کہ یہ یقیناً جبار فریدی کی چچی مسز رضیہ فریدی ہیں۔ شوبی نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

”کون۔؟“ اندر سے مسز رضیہ نے پوچھا۔ ”کیا تم ہو اظہر؟“ اس نے شاید کسی ملازم کا نام لیا۔  
”نہیں! جوگی۔“



ہو کہ میرا ان وارداتوں سے تعلق ہے؟ کیا تم مجھ سے ایسی امید کر سکتی ہو؟“ مسز رضیہ نے کہا۔  
 ”مسز رضیہ! قتل کی وارداتوں کا سراغ لگانے کے لئے بہت سے لوگوں سے ملنا پڑتا ہے اور ہم بغیر کسی سبب یا وجہ کے کسی سے نہیں ملتے، آپ کیروا تھیلے لے کر شاہراہ اقبال سے دور پہاڑی پر جا کر کسی جوگی سے ملتی ہیں؟ آپ کا عرصہ سات سال سے یہی ورد ہے۔ انجم زیدی آپ کو وہاں لے جایا کرتا تھا جسے مار ڈالا گیا۔“

”میں شاہراہ اقبال کی پہاڑی چٹانوں پر کسی جوگی سے نہیں ملتی بلکہ میں تھیلے میں چنے اور گڑ وغیرہ لے جا کر وہاں پائے جانے والے بندروں کو کھلاتی ہوں ایسا کرنے میں مجھے روحانی تسکین ہوتی ہے۔“ اتنا کہنے کے بعد اس نے پلنگ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک گرے رنگ کا تھیلا اٹھا کر اس کے آگے کرنی ہوئی بولی۔ ”لو دیکھو لو اور اچھی طرح دیکھ لو۔“ تھیلے میں گڑ اور چنے تھے۔ ”اور میں ہر منگوار اور سینچر کے دن ایسا کرتی ہوں۔“ مسز رضیہ نے پھر بتایا۔

”لیکن یہ عمل آپ چھپ کر کیوں کرتی ہیں؟“  
 ”میں کسی کو یہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ میں ایسا کیوں کر رہی ہوں اس سے میری دلی مراد میں رکاوٹ پڑتی ہے۔“  
 ”آپ ایسا کس لئے کر رہی ہیں؟“

”میں اس عمل سے ایک جن کو قابو میں کرنا چاہتی ہوں؟ مجھے طاقت چاہئے!“

”اور وہ جوگی کون ہے؟ جس کا نام سن کر آپ نے دروازہ کھول دیا تھا اور دروازہ کھولنے سے پہلے یہ کہا تھا کہ بہت دنوں بعد آئے ہو اور پھر آپ نے یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا تم اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے آئے ہو؟ ان باتوں سے آپ کا کیا مقصد تھا؟“ شوہی نے پوچھا۔

”ڈھائی سال کا عرصہ گزرا۔ اس پہاڑی پر ایک جوگی نے تین چار ہفتے کے لئے اپنا ڈیرا ڈالا تھا۔ اس نے مجھے ہر منگل اور سینچر کے دن گڑ اور چنے کھلاتے دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ میں یہ عمل جن کو تابع کرنے کے لئے کر رہی ہوں؟ اس نے کہا تھا کہ میں بیکار اپنا وقت خراب کر رہی ہوں بلکہ کسی بھی رات کو وہ خود آکر اس کا عمل پورا کرانے آئے گا۔ میں اسی دن سے اس کی منتظر تھی اور اسی لئے میں نے آج اس کے دھوکے میں تم سے سوال کر لیا۔“

اوہ۔۔۔! شوہی بولی۔ ”کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں مسز رضیہ؟ آپ وہاں مین کے بند ڈبوں میں خوراک تو نہیں لے جایا کرتی تھیں کسی کے لئے؟“

”میں کے بند ڈبوں میں خوراک؟ میں کس کے لئے لے جاتی؟ وہاں میرا کون بیٹھا ہے؟ سنو!“ میں نے ابھی تک تمہارا نام بھی نہیں پوچھا ہے اور نہ یہ جاننے کی کوشش کی کہ تم اتنی رات گئے میرے رہائشی کمرے میں کس طرح آئیں۔ اب میرا وقت برباد نہ کرو چلی جاؤ یہاں سے، اس سے پہلے کہ میں کسی کو آواز دوں اور تمہاری جان پر بن جائے، چلی جاؤ یہاں سے۔“ مسز رضیہ کے لہجہ میں سختی تھی اور دھمکی بھی۔  
 شوہی خاموشی کے ساتھ اٹھ گئی اسی طریقے سے بنگلے کے باہر آکر ٹیکسی کی سمت بڑھ گئی۔ وہ مسز رضیہ کے برتاؤ پر حیران تھی۔

ادھر روزی اور اختر مس شہناز مجسمہ ساز کے انتظار میں کافی دیر سے اندھیرے میں کھڑے ہوئے تھے۔ کافی دیر بعد ایک کار کے آنے کی آواز انہوں نے سنی وہ کار مس شہناز کے مکان کے سامنے آکر رکی۔ ٹیکسی سے اتر کر ڈرائیور نے ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ شہناز ٹیکسی سے باہر نکلی تو وہ لڑکھڑا رہی تھی۔ ڈرائیور نے اس کو سہارا دیا تو اس نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ ”مجھے نہ چھوؤ، بیگ میں سے اپنا کرایہ نکال لو زیادہ روپے نکالے تو۔“ اس نے لڑکھڑائی آواز میں کہا اور خود ٹیکسی کی چھت کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی۔ وہ قدرے جھول رہی تھی۔

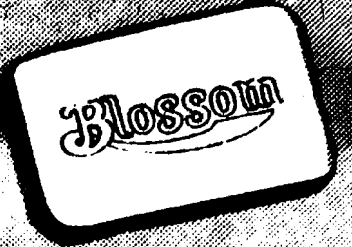
”مس شہناز!! آج تک میں نے زیادہ روپے کبھی نہیں لئے۔“ ڈرائیور بولا۔

”گڈ بوائے۔۔۔ لاؤ میرا ہینڈ بیگ۔“  
 ڈرائیور نے ہینڈ بیگ دیتے ہوئے کہا۔ ”مس شہناز کیا سچ مچ آپ کو میرے سہارے کی ضرورت نہیں؟ چلئے میں آپ کو دروازے تک پہنچا دوں اور تالا بھی کھول دوں گا۔ آپ سے کھلے گا بھی نہیں۔“

”نہیں مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔“ مس شہناز نے کہا اور ہینڈ بیگ لے کر گھر کی طرف بڑھنے لگی۔ ٹیکسی ڈرائیور کھڑا ہوا دیکھتا رہا۔ وہ بری طرح لڑکھڑا رہی تھی۔ اس نے اپنا سر مکان کے دروازہ پر ٹکا کر ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ ”اب جاؤ اور آج کی طرح کل وہاں دیر سے نہ پہنچنا۔“

”کل یہ غلطی نہیں ہوگی مس شہناز!“ ڈرائیور بولا۔  
 اختر نے جلدی سے ٹیکسی کا نمبر نوٹ کیا اور روزی سے بولا۔ ”تم جا کر مس شہناز کو سنبھالو، میں ہاتھ دے کر ٹیکسی کو روکتا ہوں۔“

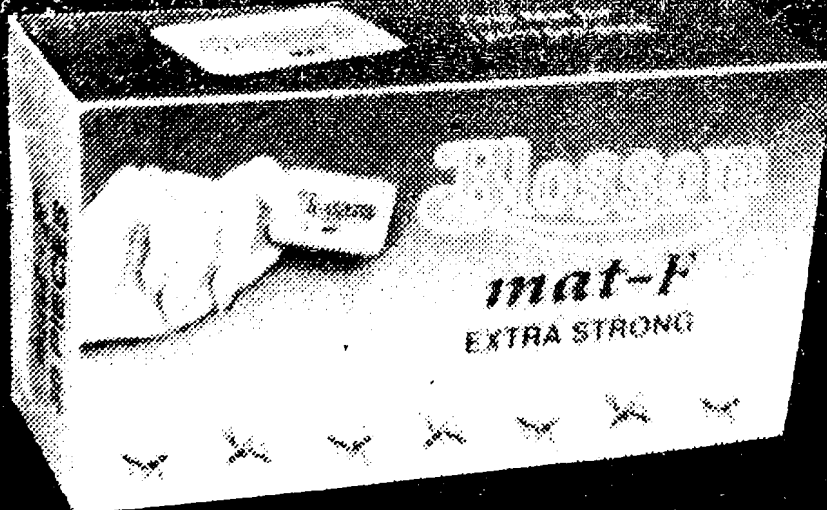
روزی، شہناز کے پاس پہنچی تو وہ ابھی تک گھر کے



پرسکون  
نیںد  
پچھرون  
سم  
نجات

پلاسٹیم میٹ

زیادہ معطر، زیادہ موثر



ہوئے اس نے روزی سے کہا۔ ”آؤ۔ مس شہناز کو ٹھیک طرح لٹا کر ان کے پیروں پر چادر ڈال دیں۔“ کچھ دیر بعد اختر اور روزی مس شہناز کی گیلری کا دروازہ بند کر کے باہر آگئے۔

”ٹیپو سلطان ہوٹل۔“ پہنچ کر روزی اور اختر نے میجر اور نشی کے پاس ارشد کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ارشد شوٹی کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ فکر مند دکھائی دے رہا تھا۔ اختر اور روزی نے اپنی رپورٹ پیش کی اور پھر اختر نے میجر کو دیا سلائیوں کا پیکٹ نکال کر دیا جو وہ مس شہناز کے ہینڈ بیگ سے نکال کر لایا تھا۔ میجر نے قتل کی نئی واردات اور ندیم عرف انیس مرزا کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

کچھ منٹ بعد شوٹی بھی آگئی۔ اس کی رپورٹ سن کر سب کو تعجب ہوا۔ خاص طور پر جوگی کے معاملہ پر سب ہی کو حیرت ہوئی اس کیس میں کئی آدمیوں پر شک بڑھتا جا رہا تھا۔



رات کو سونے سے پہلے میجر عابدی نے طے کر لیا تھا کہ وہ منہ اندھیرے ہی ندیم عرف انیس مرزا سے ملے گا۔ جس نے میجر سے وعدہ کیا تھا کل صبح ان کو اس بات سے آگاہ کر دے گا کہ ماچس سے سگریٹ اور سگار جلانے کے بجائے دوسرا کیا کام لیا جاتا ہے اور یہ بھی بتا دے گا کہ مس آصفہ کا قاتل کون ہے؟ دن نکلنے سے پہلے ہی وہ تیار ہو کر اور ہاتھ میں ٹارچ لے اپنے کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ تھوڑی دیر میں ندیم کے مکان پر پہنچ گیا۔ ندیم کا مکان اندھیرے میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ اپنی کار مکان سے کچھ دور قصداً ”روک کر پیدل ہی مکان کا گیٹ کھول کر احاطے میں پہنچ گیا۔ مکان کے اندر کہیں بھی روشنی نہیں تھی۔

برآمدے میں پہنچ کر اس نے تین مرتبہ گھنٹی بجائی لیکن کسی نے بھی دروازہ نہیں کھولا۔ البتہ ایک خوبصورت سا چھوٹا ساکتا آکر اس کی ٹانگوں سے لپٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے کتے کو بھگا کر اپنے پاس کی ”ماسٹرکی“ سے دروازہ لگے ہوئے تالے کو کھول لیا اس نے دروازہ پر رک کر آؤ سننے کی کوشش کی لیکن اسے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔

اس نے ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھ کر کمرے کی بجلی کا سوئچ آن کر دیا۔ کمرے میں ایک میز کونے میں رکھی ہوئی تھی جس کی درازیں کھلی ہوئی تھیں بہت سے خطوط اور کاغذات زمین پر بکھرے پڑے تھے۔ میجر نے انہیں دیکھا وہ مختلف قسم کے ہوٹلوں کے رقص کے پروگرام کے دعوت

دروازہ پر سرٹکائے کھڑی تھی، اختر نے ہاتھ دے کر ٹیکسی رکوالی، اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔ ”مس شہناز کو تم کہاں سے لائے تھے؟“ ٹیکسی ڈرائیور نے اختر کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ کون ہیں؟“

”ٹولیس آفیسر۔“ اختر کا کسرتی جسم دیکھ کر وہ متاثر ہو گیا، اس نے کہا۔ ”میں ہر روز مس شہناز کو اسی وقت ”خاص باغ“ خیرت آباد کے ۲۱۳ نمبر بنگلے سے لایا کرتا ہوں۔“ وہاں وہ کس کے پاس جاتی ہیں؟

”سیٹھ ارشد عثمانی کے یہاں۔ غالباً“ وہاں وہ مجسمہ سازی کرتی ہیں۔ مس شہناز بڑی فراخ دل ہیں وہ جب کبھی جیت کر آتی ہیں تو مجھے کرائے سے بھی زیادہ ”ٹپ“ دیتی ہیں۔“

”اب تم جا سکتے ہو۔“ اختر نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ وہ چلا گیا۔

اختر مس شہناز کے مکان کی طرف بڑھا تو دروازے پر روزی اور شہناز نہیں تھیں۔ روزی نے شہناز کو سارا دے کر اس کا دروازہ کھول دیا تو اس نے ایک پل روزی کو دیکھا تھا اور کہا تھا۔ ”گڈ گرل۔“ جو کسی کا مدد کرتا ہے۔ خدا اس کی مدد کرتا ہے۔“

روزی نے شہناز کے ہینڈ بیگ سے گیلری کے دروازے کی چابی نکال کر دروازہ کھولا تھا۔ شہناز بیڈ روم میں پہنچ کر بیگ پر دھڑام سے گر گئی تھی اور آنکھیں موندتی ہوئی بولی تھی۔ ”میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو تم چاہو تو“ یہیں سو سکتی ہو اس کی آواز نیند سے بوجھل تھی اور پھر یکا یک وہ نیند سے بھی زیادہ بوجھل آواز میں بولی۔ ”گڈ نائٹ ڈیر۔“ اور پھر روزی کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سو بھی گئی تھی اس کا ہینڈ بیگ اس کے سینہ پر رکھا ہوا تھا۔ روزی نے آہستہ سے وہ بیگ اٹھا لیا۔ ٹھیک اسی وقت اختر بھی بیڈ روم میں پہنچ گیا۔

”مس شہناز تو سو گئی۔ اب اس سے کیا پوچھا جا سکتا ہے؟“ روزی بولی، اس نے ہینڈ بیگ کھولا تو اس میں نقدی کے علاوہ ’رومال‘ پاؤڈر پف اور دیا سلائی کا مخصوص پیکٹ تھا۔ اختر نے دیا سلائی کا پیکٹ روزی کے ہاتھ سے لے لیا وہ ماچس کی اہمیت سے واقف تھا جس کا بھید جاننے کے لئے میجر عابدی انھک کوشش کر رہے تھے۔ اس پیکٹ کی بیس تیلیوں کی جگہ صرف چار گتے کی تیلیاں سرے سے جڑی ہوئی تھیں جن کی پشت پر نمبر تھے۔ اس دیا سلائی کو اپنے پاس رکھتے

## ☆ کفایت شعاری ☆

اپنے اخراجات کم کر کے اپنی آمدنی میں سے کچھ بچا لینے کو کفایت شعاری کہتے ہیں۔ کفایت شعاری سنبھوسی نہیں۔ سنبھوس آدمی اپنی جائز ضروریات پر بھی خرچ نہیں کرتا۔ جبکہ کفایت شعار آدمی اپنی ہر جائز ضرورت پر خرچ کرتا ہے۔ حضورؐ نے فضول خرچی سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو کفایت شعار ہونا چاہئے۔ جس قوم کے افراد فضول خرچ نہیں ہوتے وہ قوم ترقی کرتی ہے۔

نعیم اللہ خان بابر۔ راولپنڈی

لیا تو وہ مریچکا تھا۔ میجر پلنگ کے اور قریب کیا تو اس کا پاؤں کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس نے جھک کر دیکھا تو ۳۸ بور کا پستول اس کے قدموں میں تھا جس پر سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ میجر عابدی نے ہاتھ پر اپنا رومال لپیٹ کر اسے اٹھا لیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کل مسز مہ جبین نے اسے جان سے مارنے کی دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ۔ ”یہ دیکھو ۳۸ بور کا پستول ہے تو کیا یہ پستول اس کا ہے؟“ کیا اس نے اپنی دھمکی پوری کر دکھائی؟ اب صرف دو کمرے دیکھنے باقی رہ گئے تھے جو گیلری کے بائیں کونے میں تھے اس کے دروازوں پر جمی ہوئی دھول اور مکڑی کے جالے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ عرصے سے بند ہیں۔ یہ دیکھ کر میجر کو سخت تعجب ہوا کہ ان کمروں کے سامنے کے دروازے تو دھول اور مکڑی کے جالوں سے اٹے ہوئے ہیں لیکن پیچھے کے دروازے صاف ستھرے تھے۔

”میجر نے ”ماسٹر کی۔“ سے کمرے کا تالا کھولا، کمرہ اندر سے صاف تھا لیکن خالی تھا۔ اس میں ایک چھوٹی میز، دو کرسیاں اور ایک پلنگ تھا۔ فرنیچر بھی صاف ستھرا تھا جس کی پالش بھی خراب نہیں ہوئی تھی۔ دیوار پر ایک فوٹو خوبصورت فریم میں جڑا ہوا آویزاں تھا جس کا فریم تک صاف تھا وہ کسی انگریزی عورت کا فوٹو تھا۔

اس کمرے کے درمیانی دروازے سے گزر کر میجر برابر والے کمرے میں پہنچا تو وہ بھی صاف ستھرا ملا۔ اس کے فرنیچر کا پالش بھی چمک رہا تھا۔ وہ کمرہ بھی خالی تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ ان کمروں کے سامنے والے دروازے دھول اور

ٹائے تھے۔ کمرے کی الماریاں کھلی ہوئی تھیں اور ان کا سامان نیچے فرش پر رکھا ہوا تھا۔ فوراً ہی میجر کے ذہن میں ایک سوال ابھرا کیا ندیم ضروری کاغذات لے کر فرار ہو گیا؟ اس کے بعد میجر دو سرے کمرے میں پہنچا۔ وہ ڈرائنگ روم تھا۔ اس کمرے کی چیزیں بھی ادھر ادھر پھیلی پڑی تھیں۔ صرف کلاک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میجر سوچنے لگا کہ اس مکان میں آنے والے کو کس چیز کی تلاش تھی؟ اور ندیم کہاں ہے؟ کیا مکان کی تلاشی لینے والا ابھی تک مکان میں ہے؟ میجر اس کمرے کی طرف بڑھا، جس کمرے سے کلاک کی آواز آرہی تھی۔ جوں ہی میجر ٹارچ ہاتھ میں لئے کمرے کے دروازے میں داخل ہوا وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ سامنے ایک شخص دیوار سے ٹیک لگائے ہوا تھا، میجر نے جلدی سے اپنا ریو اور نکال لیا اور کڑک کر بولا۔ ”اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو گولی تمہارے سینے سے پار ہوگی۔“

اس آدمی نے کوئی حرکت نہیں کی بالکل ایک ہی زاویے سے بیٹھا رہا۔

میجر پستول تانے آگے بڑھ کر اس آدمی کو بہ غور دیکھنے لگا۔ پوشاک سے لگ رہا تھا کہ وہ ندیم کا نوکر ہے۔ کسی نے اس کے سینے میں گولی مار دی تھی۔ اس کے پرانے کوٹ کے سامنے کا حصہ خون آلود ہونے کے علاوہ پیروں کے قریب کافی تعداد میں خون جما ہوا تھا۔ کیا ندیم فرار ہونے سے قبل اپنے ملازم کو مار گیا؟ ایک اور سوال اس کے ذہن میں ابھرا۔ اس کے بعد جب وہ اگلے کمرے میں پہنچا تو وہ بھی اندھیرے میں لپٹا ہوا تھا۔ جیسے ہی میجر نے اپنی ٹارچ کی روشنی کمرے میں بھینکی تو اس نے کسی چیز کو اچھلتے ہوئے دیکھا۔ اس نے پستول تان لیا۔ وہ وہی چھوٹا خوبصورت کتا تھا جو برآمد میں اسے ملا تھا۔ کتا کود کر پلنگ پر جا بیٹھا۔

پلنگ پر ندیم پڑا تھا۔ وہ ہلکے سبز رنگ کا سیلنگ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ چھوٹا کتا اس کا منہ سونگھ رہا تھا۔ ندیم بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا، اس کے چہرے پر نفرت اور غصے کے طے جلے آثار تھے۔ اس کی مٹھیاں بھنجی ہوئی تھیں اور بستر خون میں لتھڑا ہوا تھا لیکن اس کے مردہ جسم پر کہیں زخم کا نشان نہیں تھا۔ میجر نے اپنے پستول کا دستہ آہستہ سے چھوئے کتے کی پیٹھ پر مارا وہ کود کر بھاگا تو اس نے ندیم کے مردہ جسم کو پلٹ دیا۔ اس کی پشت پر زخم کا گہرا نشان تھا۔ کسی نے اس کی پیٹھ پر گولی مار کر حجت لٹا دیا تھا۔ اس کمرے کی ہر چیز بکھری پڑی تھی۔ حتیٰ کہ ٹیبلٹ، پتلون، کوٹ، بنیان وغیرہ بھی ادھر ادھر پڑے تھے۔ میجر نے ندیم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں

آپ ہی نے تو اسے کہا تھا کہ وہ انیس مرزا بن جائے۔  
”کیا اس مردود نے یہ بتایا ہے آپ کو؟“ مسز مہ جبین نے ناراض ہو کر پوچھا۔  
”وہ جو کچھ مجھے بتا سکتا تھا بتا گیا“ اب تو وہ کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں رہا۔ اس کے ساتھ ایک المناک حادثہ ہو گیا ہے۔“

”کیسا حادثہ؟“ مسز مہ جبین نے تیزی سے پوچھا۔  
”ندیم عرف انیس مرزا کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا اور ساتھ میں اس کے ملازم کو بھی مار ڈالا گیا ہے۔ کیا آپ بدنامی سے بچنے کے لئے یہاں نہیں آئیں گی؟“ ندیم مجھے بہت کچھ بتا گیا ہے۔“  
”میں آرہی ہوں لیکن اس کے مکان میں پولیس تو نہیں ہے؟“

”نہیں“ ابھی اسے اطلاع نہیں دی گئی ہے اور آپ اس پستول کو بھی لیتی آئیے۔ ۳۸ بور کا وہی پستول جس سے کل رات آپ نے ندیم کو مار ڈالنے کی دھمکی دی تھی۔“  
”سور نے مرتے مرتے آپ کو سب کچھ بتا دیا۔ خیر میں آرہی ہوں، پستول بھی لیتی آؤں گی۔ کاش‘ میں نے کل رات ہی اس کو گولی مار دی ہوتی۔“ مسز مہ جبین نے کہا اور ریسپور رکھ دیا۔

کچھ ہی دیر بعد میجر عابدی کے تمام ساتھی آگئے۔ میجر نے ہاؤنڈ کو لے جا کر پہلے ان انوکھے کمروں میں گھمایا اور ہر چیز کو سونگھانے کے بعد اس دیوار کو بھی سونگھایا جس پر سینٹ لگا ہوا تھا۔ جس کو اکثر عورتیں ہی لگانا پسند کرتی ہیں۔ ہاؤنڈ نے سینٹ کی مہک سونگھی لیکن وہ کمرے سے باہر نہیں گیا یہ دیکھ کر وہ بہت حیران ہوا۔ روزی‘ نشی اور شوبی کے علاوہ آخر بھی ان کمروں کو بہ غور دیکھ رہے تھے۔ میجر نے انہیں ساری باتیں تفصیل سے بتانے کے بعد آخر اور روزی سے کہا۔ ”تم دونوں سامنے والی گلی میں جا کر مس شہناز کو بلا لاؤ وہ جاگ گئی ہوگی اور شوبی و نشی تم ”خاص باغ“ خیرت آباد کے ۲۴۳ نمبر بنگلے میں جاؤ۔ اس بنگلے میں سینٹ ارشد عثمانی رہتے ہیں۔ ڈرائیور سے پتا چلا تھا کہ وہ ہر روز اس کی ٹیکسی میں وہاں جاتی ہے، تم دونوں جا کر اس بات کی تصدیق کرو کہ یہ صحیح ہے یا غلط؟“

وہ سب کے سب اپنی اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے اور میجر مسز مہ جبین کا انتظار کرنے لگا۔

مسز مہ جبین آئی تو وہ بہت ہی ہراساں اور پریشان تھی۔ ”کہاں ہے ندیم؟“ اس نے آتے ہی پوچھا۔ اس کی آواز

جالوں سے اٹے ہوئے کیوں ہیں اور پچھلے دروازے اس قدر صاف کیوں ہیں؟ فرنیچر کا پالش اتنا کیوں چمک رہا ہے؟ اگر یہ کمرے حقیقت میں کافی دنوں سے بند ہیں تو دھول مٹی ان پر کیوں نہیں جمی؟ وہ اس وقت جس کمرے میں کھڑا ہوا تھا اس کی سامنے والی دیوار پر لکڑی کی بنی دو کھونٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ ان پر کوئی کپڑا نہیں لٹکا ہوا تھا۔ البتہ میز کی درازیں کھلی ہوئی تھیں اور خالی تھیں۔ وہ ان کمروں کا راز جاننا چاہتا تھا وہ ان کھونٹیوں کے پاس چلا گیا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر ان کمروں میں کوئی رہتا ہے تو ان کھونٹیوں پر کپڑے ضرور لٹکاتا ہوگا اور وہ کپڑے دیوار سے بھی ضرور ٹکراتے ہوں گے۔

میجر نے دیوار سے اپنی ٹاک لگادی اور دیوار کو سونگھنے لگا۔ اچانک اس کے ہونٹ گول ہو گئے اور بے خیالی میں سیٹی بجانے لگا اس نے اونچی آواز میں اپنے آپ سے کہا۔ ”ان کمروں میں کوئی عورت رہتی ہے۔“ لیکن اس کی اس بات کا جواب دینے والا تو کبھی کا مرچکا تھا۔ میجر کمروں سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اس نے کمرے میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کو اٹھا کر نیپو سلطان ہوٹل کا نمبر ڈائل کرنے کے بعد ریسپنڈنٹ لڑکی سے کہا کہ وہ اس کے کمرے کے فون سے اس کا فون ملا دے کچھ منٹ بعد دوسری طرف سے شوبی کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو۔ شوبی۔ اسپیکنگ۔“

”شوبی۔ میں انیس مرزا کے مکان سے بول رہا ہوں۔ کسی نے انیس مرزا عرف ندیم کو اور اس کے ملازم کو گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ ندیم کا یہ مکان عجیب پر اسرار قسم کا ہے۔ تم روزی‘ نشی اور آخر کو مع ہاؤنڈ کے فوراً ”یہاں آجاؤ۔“

میجر نے شوبی کو یہ ہدایت دے کر پھر کچھ سوچتے ہوئے ریسپور کو دوبارہ اٹھالیا اور جبار فریدی کے بنگلے کا نمبر ملایا۔ ریسپنڈنٹ لڑکی نے فون اٹھایا۔ میجر نے اس سے کہا کہ وہ مسز مہ جبین سے اس کی بات کرادے۔ ایک منٹ بعد مسز مہ جبین کی آواز آئی۔ ”کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ کون صاحب بول رہے ہیں؟“

”میجر عابدی۔! مسز مہ جبین، کیا آپ ندیم عرف انیس مرزا کے اپنے مکان میں آسکتی ہیں؟“

”اوہ۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ کو کس نے بتایا کہ ندیم ہی انیس مرزا ہے؟“ مسز مہ جبین کے منہ سے نکل گیا۔

”آپ بخوبی جانتی ہیں کہ ندیم ہی انیس مرزا تھا اور



کانپ رہی تھی۔ میجر عابدی اس کو ملازم والی لاش کے کمرے میں لے گیا اور پوچھا۔ ”کیا یہ ندیم کا نوکر ہے۔“  
”ہاں۔“ مہ جبین نے میجر کی بات کی تائید کی۔

میجر جب مہ جبین کو ندیم کے بیڈروم میں لے گیا تو چھوٹے قد کا خوبصورت کتا ندیم کی لاش کے پاس بیٹھا اپنی دم اس کے مردہ چہرہ پر پھیر کر اپنی محبت اور وفاداری کا اظہار کر رہا تھا۔ میجر نے اسے بھگا دیا۔ مسز مہ جبین نے لاش کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اسے میرے ساتھ غداری کرنے کی سزا ملی ہے۔“

”کیا یہ سزا آپ نے دی ہے اسے؟“ میجر نے فوراً ہی پوچھا۔

”ایک بے قصور کا بدلہ خداوند تعالیٰ لیتا ہے۔“

”مسز مہ جبین۔ کیا آپ اپنا پستول لائی ہیں۔“ میجر کے اس سوال پر وہ کانپ گئی اور منہ سے بیساختہ نکلا۔ ”نہیں۔“  
”کیوں؟ آپ اپنا پستول کیوں نہیں لائیں؟“

”میرا پستول غائب ہے۔“ مسز مہ جبین نے جواباً کہا۔  
میجر عابدی نے جھک کر پلنگ کے نیچے سے پستول اٹھا کر دکھاتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا یہ آپ کا پستول ہے؟“ میجر نے اسے رومال سے پکڑ کر اٹھا رکھا تھا۔ مسز مہ جبین اس کو میجر کے ہاتھ سے لینے لگی تو میجر نے کہا۔ ”نہیں اسے ہاتھ نہ لگائیے دور سے دیکھ کر ہی بتائیے۔“

مسز مہ جبین نے پستول کا نمبر پڑھنے کے بعد کہا۔ ”جی ہاں یہ میرا پستول ہے، لیکن یہ یہاں کیسے آگیا؟“

”مسز مہ جبین، کل رات میری اسسٹنٹ نے آپ کے بنگلے تک آپ کا تعاقب کیا تھا۔ آپ یہاں سے سیدھی اپنے بنگلے میں گئی تھیں لیکن ہو سکتا ہے آپ اپنی دھمکی پوری کرنے کے لئے واپس آگئی ہوں۔“

”نہیں، نہیں، میں دوبارہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ میرے قدم یہاں آئیں۔ کل رات کسی نے میرا پستول چرا کر ندیم کو ہلاک کیا ہے تاکہ مجھے قاتل ثابت کیا جاسکے۔“

”اچھا یہ بتائیے کہ یہ بات کون کون جانتا تھا کہ آپ کے پاس ۳۸ بور کا پستول ہے؟“ میجر نے پوچھا۔

”میرے علاوہ کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا ممکن ہے کسی دن ندیم نے اتفاق سے میرے ہینڈ بیگ میں اسے دیکھ لیا ہو اور کسی سے اس کا تذکرہ کیا ہو۔“

”چلے فی الحال میں آپ کی اس دلیل کو مانے لیتا ہوں کہ آپ کا پستول چرا لیا گیا، لیکن آپ کو ایک کام ضرور کرنا ہوگا، آپ کو اپنی انگلیوں کے نشان کاغذ پر دینے ہوں گے۔“ یہ کہہ

کر اس نے ایک کاغذ اٹھا کر میز پر رکھ دیا اور مسز مہ جبین کی دو انگلیوں اور انگوٹھے پر پین کی سیاہی لگا کر اس کا ہاتھ کاغذ پر دبایا۔ اس کی انگلی اور انگوٹھے کے نشان واضح طور پر سادہ کاغذ پر آگئے۔ میجر عابدی نے وہ کاغذ اپنی جیب میں رکھ کر اس سے پوچھا۔ ”کیا ندیم کے اس مکان میں کوئی عورت بھی رہتی تھی؟“

”عورت؟ نہیں تو“

میجر نے ان دونوں کمروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا یہ ہمیشہ بند رہتے تھے؟“

”ہاں!“ ان کمروں کے بارے میں ایک کہانی مشہور ہے اس مکان میں پہلے مسٹر والٹن رہا کرتے تھے۔ ان ہی سے میرے شوہر نے ان کا۔ ”گلائٹ کلب“ خریدا تھا جسے انہوں نے نیا رنگ و روپ دے کر۔ ”عشرت کلب“ بنا دیا۔ اس مکان کو اسی محلے کے ایک سیٹھ نے مسٹر والٹن سے خرید لیا تھا لیکن اس مکان میں رہنے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا۔“

”کیوں؟“

”کہتے ہیں کہ مسٹر والٹن نے اپنی بیوی مسز گریس کو مار ڈالا تھا لیکن افواہ یہ اڑادی تھی کہ اس نے خودکشی کر لی ہے۔ اسے زہر دیا گیا تھا یا اس نے از خود زہر لی لیا تھا۔ خیر، چھوڑیے، کچھ بھی ہو، گریس کی موت واقع نہیں ہوئی۔ لوگ ایسا کہتے ہیں کیونکہ گریس کو لوگوں نے شہر میں گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔ میں اس بات پر یقین نہیں رکھتی کہ ایسا ممکن ہے کہ آدمی مرنے کے بعد گھومتا پھرتا رہے۔ مجھے یہ مکان سستے کرایہ پر مل گیا میں نے یہ مکان کرایہ پر لے کر ندیم کو رہنے کے لئے دے دیا تھا۔“

”میرے ساتھ آئیے مسز مہ جبین“ میجر نے کہا۔

میجر اسے اس کمرے میں لے گیا جس کی دیوار پر ایک عورت کا فوٹو لگا ہوا تھا۔ میجر نے اشارتاً پوچھا۔ ”کیا یہ مسز گریس والٹن ہیں؟“

”ہاں“

”مسز مہ جبین، معاملہ بہت ٹیڑھا ہے پولیس آپ تک ضرور پہنچیں گی۔“

”میں پولیس سے دور رہنے کے لئے آپ کو منہ مانگی رقم دینے کے لئے تیار ہوں۔“ مسز مہ جبین نے کہا۔

”مسز مہ جبین! میں رشوت نہیں لیا کرتا۔ اس وقت تو میں آپ کو پولیس سے دور رکھ لوں گا لیکن جب میں آپ کو بلاؤں آپ کو آنا ہوگا۔ اس وقت تو آپ جا سکتی ہیں۔“

”میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ مجھے جب بھی اور جس



ہو گیا۔ اپنے رہائشی ہوٹل ”ٹیو سلطان“ میں پہنچا تو روزی اور شوبی کے علاوہ اختر اور نشی کو وہاں موجود پایا۔ اختر اور روزی نے رپورٹ پیش کی کہ مس شہناز کو اسپتال پہنچا دیا گیا تھا ہم اسپتال پہنچے۔ تو ڈاکٹر نے بتایا انہوں نے کوئی بہت تیز قسم کی دوا استعمال کی ہے جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہیں۔ ان کو ہوش میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔

شوبی اور نشی نے اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”کل رات مس شہناز، سیٹھ ارشد عثمانی کے یہاں تھی اور کل خلاف معمول وہ کافی دیر تک وہاں رہی۔“ دونوں رپورٹوں کو سننے کے بعد میجر نے کہا۔ ”معاملہ سنگین اور نازک ہے۔ کچھ سوچ کر اس نے ریسپنٹ لڑکی سے کہا کہ وہ انسپکٹر مسعود کا نمبر ملا دے۔ دو منٹ بعد مسعود نے فون پر پوچھا۔ ”کہئے میجر صاحب! کیا اور کوئی نئی واردات ہو گئی؟“

”نہیں۔“ میجر نے ہستے ہوئے کہا۔ ”انسپکٹر صاحب! آپ یہاں آجائیے۔ یہاں سے ہم ”عشرت کلب“ چلیں گے۔“

”خیر تو ہے۔ کیا بات ہے؟“ انسپکٹر نے پوچھا۔ ”میں وہاں پہنچ کر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کلب کی دیا سلائیوں کے پیچھے نمبر کیوں ڈالے جاتے ہیں۔“ ”میں کلب کے میجر مسٹر سرفراز سے پوچھ چکا ہوں۔ ان کا کہنا ہے کہ جن دیا سلائیوں کے پیچھے نمبر ہوتے ہیں ان سے سگریٹ یا سگار نہیں جلایا جاتا۔ ان نمبروں کا راز یہ ہے کہ جس شخص کے پاس ماچس ہوتی ہے وہ نمبر کے مطابق اپنے ساتھ مہمان لا سکتا ہے اور اتنے ہی ڈنر مہمانوں کو کھلا سکتا ہے جس پر اسے ۳۳ فیصدی کمیشن ملتا ہے۔ کلب نے اپنی سیل بڑھانے اور گاہکوں سے ایڈوانس روپیہ وصول کرنے کے لئے یہ طریقہ اپنایا ہے۔ ان ماچسوں کی قیمت پانچ سو روپے ہے۔“

”شکریہ مسٹر مسعود!!“ یہ کہہ کر میجر نے اپنا ریسپورٹ کرڈیل پر رکھ دیا لیکن نمبروں کے سلسلے میں کلب کے میجر کے بیان کو انسپکٹر مسعود کی زبان سے سن کر وہ مطمئن نہیں ہوا تھا۔



میجر ایک میز کے پاس جا بیٹھا اس نے روزی کو پلیٹ لانے کے لئے کہا وہ پلیٹ لے آئی۔ میجر نے ”عشرت کلب“ کی دیا سلائیوں کے پیکٹ نکالے۔ ان میں سے ایک پیکٹ وہ تھا جو ناظم کے سامان میں ایک موزے میں سے نکلا تھا اور

جگہ بلائیں گے میں ضرور آؤں گی۔“ اس نے وعدہ کر لیا کیونکہ اسے اس مشکل سے چھٹکارا مل رہا تھا۔ مسز مہجیں کے چلے جانے کے بعد اس نے مسز گرلیں والٹن کے فوٹو کو بہ غور دیکھا تو یکایک اس کے ہونٹ گول ہو گئے اور وہ سیٹی بجانے لگا۔ اس نے وہ فوٹو اتار کر اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ ڈرائنگ روم میں آکر میجر نے انسپکٹر مسعود کو فون کیا اور اسے نئی وارداتوں کی اطلاع دی۔ انسپکٹر مسعود نے کہا کہ وہ اس کے آنے تک وہیں رہے تو بہتر ہے۔

نصف گھنٹے میں وہ اپنے اسٹاف کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے میجر سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”کل رات مس آصفہ کو ہلاک کیا گیا اور کل رات ہی یہاں دو خون ہوئے، کیا قتل کی ان تینوں وارداتوں کا ایک دوسرے سے تعلق ہے؟“

میجر نے مسز مہجیں کا نام بجا کر ندیم کی کچھ کہانی انسپکٹر مسعود کو سنا دی پھر وہ اسے اس کمرے میں لے گیا جہاں ندیم کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ میجر نے پلنگ کے نیچے سے ۳۸ بور کا پستول اٹھا کر انسپکٹر کو دیتے ہوئے کہا۔ ”اس پستول سے دو آدمی ہلاک کئے گئے ہیں اس پر قاتل کی انگلیوں کے نشان ہو سکتے ہیں۔“ یہ کہہ کر اس نے مسز مہجیں کی انگلیوں والا کانڈ جیب سے نکال کر انسپکٹر کو دیتے ہوئے کہا۔ ”اس پستول پر انگلیوں کے جو نشان ملیں، انہیں اس کانڈ پر کے نشانوں سے ملوائیے اور جو نتیجہ نکلے مجھے بتا دیجئے گا۔“

انسپکٹر مسعود نشانوں کو پہچاننے والے ماہروں کے پاس چلا گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے بتایا کہ پستول پر جن انگلیوں کے نشان ہیں وہ کانڈ کی انگلیوں کے نشان سے بالکل ملتے ہیں۔ یہ سن کر میجر مسکرایا اور بولا۔ ”انسپکٹر صاحب۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں پھر ملوں گا لیکن جانے سے پہلے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ”میک اپ کارنز“ کے مالک عروج مہدی کی تلاشی لینے پر اس کے پاس سے کوئی خاص چیز ملی بھی؟“

”ہاں۔“ اس کے جوتے میں پاؤں کے نیچے سے ”عشرت کلب“ کا دیا سلائیوں کا ایک پیکٹ ملا تھا۔ اس پیکٹ کی ہر دیا سلائی کے پیچھے ایک نمبر ہے۔“

اس مکان سے نکل کر اس نے اپنی کار شاہ پور کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ دی۔ جہاں مولانا حشمت اللہ رہتے تھے جو مس صفیہ سے ملنے اکثر آیا کرتے تھے۔ میجر مولانا حشمت اللہ سے مل کر لوٹا تو وہ ان کے حیرت زدہ انکشافات پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ پورا راستہ اسی غور و فکر کی نذر

جسے چرایا گیا تھا اور پھر جسے مس تنیم فریدی نے میجر کو دیا تھا۔ دوسرا پیکٹ وہ تھا جسے روزی اور اختر مس شہناز کے بیگ میں سے نکال لائے تھے۔

میجر نے نشی سے ایک تیز نشتر منگوایا اور اختر سے کہا کہ وہ کالج روڈ پر ۳۸ نمبرنگلے میں مس تنیم فریدی کو فون کرے وہ ٹیپو سلطان ہوٹل کے ۲ نمبر کمرے میں فوراً چلی آئے اگر وہ آنے سے انکار کرے تو اسے بتا دینا کہ اگر وہ نہ آئی تو عشرت کلب کے میجر سرفراز کو گرفتار کر لیا جائے گا۔

میجر کے کہنے کے مطابق اختر نے مس تنیم فریدی کو فون کیا۔ اختر کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا پہلے تو تنیم فریدی نے آنے سے انکار کیا لیکن جب اس سے یہ کہا گیا کہ وہ نہ آئی تو سرفراز کو گرفتار کر لیا جائے گا تو وہ آنے کے لئے فوراً رضامند ہو گئی۔

میجر نے نشتر سے دیا سلائیوں پر لگی گلابی گندھک آہستہ آہستہ اتار دی۔ گندھک اتارنے کے بعد نیچے سفید سفید سرے رہ گئے۔ یہ سرے کچھ چھوٹے تھے اور کچھ بڑے، بڑے سرے والی دیا سلائیوں کے پیچھے چار کا ہندسہ تھا اور چھوٹے سروں کے پیچھے دو اور تین کے ہندسے تھے۔ میجر نے وہ سفید سرے اپنے تمام ساتھیوں کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ”ندیم نے یہ کہا تھا کہ ان دیا سلائیوں سے سگریٹ یا سگار نہیں جلائے جاتے کیا تم میں سے کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ ندیم کے بیان اور دیا سلائیوں کے ان چھوٹے بڑے سروں کا کیا مطلب ہے؟“

”ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔“ شوبی بولی۔  
”یہ اس کیس کا سب سے اہم سراغ ہے۔“ میجر نے کہا۔ اس کے ساتھی یہ سن کر حیران رہ گئے۔

”تم سب حیران ہو! تم یہ نہیں سوچ رہے ہو کہ قتل کے اس کیس میں سب سے زیادہ خواتین کو قتل کیا گیا ہے۔ مس آصفہ، عفت رحمان، مس صفیہ، رضیہ صدیقی۔ اس کیس کے سلسلے میں ہمارے سامنے یہ چار خواتین ہیں، پانچویں عورت ہمارے سامنے نہیں ہے۔ مسز رضیہ فریدی جو ہر منگلوار اور سنچر کو شاہراہ اقبال کی پہاڑی چٹانوں پر بندروں کو چنے اور گڑ کھلانے جاتی ہے لیکن ان کے بارے میں یہ شک ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کے لئے خوراک لے جاتی ہیں جسے کانٹے اور چھری سے کھانا کھانے کی عادت ہے۔ دوسری عورت ہے مسز مہ جیس جس نے ندیم سے کہا تھا کہ وہ ایک ہی وقت میں بنگالی اور سندھی بن کر رہے۔ ندیم کی موت جس پستول سے واقع ہوئی۔ وہ مہ جیس کا ہے

جس پر اس کی انگلیوں کے نشان ہیں۔ تیسری عورت ہے مس شہناز ”جو عشرت کلب“ سے پانچ سو روپے میں دیا سلائی کا پیکٹ خریدتی ہے وہ ایک پیکٹ کے لئے اپنی رقم کیوں دیتی ہے؟ چوتھی عورت ہے مس تنیم فریدی اس کے ہینڈ بیگ میں سے وہ پیکٹ نکلا ہے جسے ناظم نے کہیں سے حاصل کر کے اسے موزے میں چھپا دیا تھا۔ مس تنیم فریدی مس شہناز کی قہیلی ہے۔ یہ چاروں خواتین مشکوک ہیں۔“

”پانچویں عورت! جو آپ کے بیان کے مطابق ابھی تک ہمارے سامنے نہیں ہے، وہ کون ہے؟“ شوبی نے پوچھا۔

”پانچویں عورت وہ ہے جو ندیم والے مکان میں رہتی تھی۔ شاید گریس والٹن۔ اس کے متعلق یہ افواہ گرم ہے کہ اس کا شوہر اسے زہر دے کر واپس یورپ چلا گیا اور اپنا کلب اور مکان فروخت کر گیا۔ اب آپ فریدی خاندان کے محافظ ڈرائیور انجم زیدی کے بیان کو یاد کیجئے جس نے بتایا تھا کہ حال ہی میں جب وہ مس تنیم کو کار میں لئے جا رہا تھا تو اس نے مسز گریس والٹن کو دیکھا تھا۔ ایک مری ہوئی عورت زندہ کس طرح ہو سکتی ہے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پانچویں عورت مسز گریس والٹن بھی مشکوک ہے۔ وہ زہر سے مری نہیں تھی۔ ہمیں آج بہت دوڑ دھوپ کرنی ہے۔“

”کیا دوڑ دھوپ کرنی ہوگی؟“ اختر نے پوچھا۔  
”روزی اور اختر تم دونوں جاؤ اور شہر میں صرف دو تین جزل اسٹور ہیں جنہیں ہم بڑا اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ ان کے پاس ہر قسم کی چیزیں اکثر مل جاتی ہیں۔ ان اسٹوروں کے مالک یا سیلز مین سے یہ معلوم کرو جو ایک ہی وقت میں پندرہ دن یا ایک مہینے کے خرچ کے لئے ڈبوں میں بند مچھلی، گوشت، ٹماٹر اور مٹر کون خریدتا رہا ہے۔“ اختر اور روزی شہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد میجر نے شوبی سے کہا۔ تم پوری طرح اسلحہ سے آراستہ ہو کر اور ہاؤنڈ کو ساتھ لے کر شاہراہ اقبال سے نکل کر پہاڑی چٹانوں کی غار میں چلی جاؤ اور یہ دیکھو کہ وہاں جو شخص رہتا تھا وہ آیا یا نہیں؟“

شوبی دروازے کی جانب بڑھی تو میجر نے نشی سے کہا۔ ”نشی تم یہاں کے عیسائی قبرستان میں جاؤ اور وہاں کے ناظم سے جا کر پوچھو کہ کیا مسز گریس والٹن وہاں حقیقت میں دفنائی گئی تھی؟ ہو سکے تو اس کی قبر بھی دیکھتی آنا۔“

نشی بھی اپنے کام پر چلی گئی۔  
میجر عابدی مس تنیم فریدی کا انتظار کر رہا تھا کہ یکا یک اس نے دروازے میں اپنا قدم رکھا۔ وہ نئی تراش کے

اس نے آپ سے کہا کہ آپ ان پیکٹوں کو مس شہناز کے پاس لے جایا کریں اور ان سے لے آ یا کریں۔  
”جی ہاں۔“

”کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ دیا سلائیوں کے ان پیکٹوں کا معاوضہ آپ کو مس شہناز کیوں دیتی تھیں؟ یہ پیکٹ کیا چیز ہیں؟“

”نہیں، میں کچھ نہیں جانتی، میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ پیکٹ میں دس تیلیاں ہوتی تھیں تو دو سو پچاس روپے ملتے تھے اگر پانچ ہوتی تھیں تو ایک سو روپے، آٹھ ہوتی تھیں تو پورے دو سو روپے لیکن ان پیکٹوں میں کیا ہے اس کا مجھے علم نہیں۔“

”میں نے جو پیکٹ آپ سے لیا تھا اسے دیتے ہوئے کیا آپ اس لئے ہچکچاتی تھیں کہ آپ کی ایک اچھی خاصی رقم ماری جا رہی تھی؟“ میجر نے کہا۔

”جی ہاں۔“ مس تسنیم نے شرماتے ہوئے کہا۔

”آپ سے میل جول پیدا کرنے سے پہلے سرفراز۔“

یہ کرم ”کس پر کیا کرتا تھا؟ یہ میرا تیسرا سوال ہے۔“

”سرفراز نے تو مجھے نہیں بتایا، لیکن مس شہناز مجھے

اپنے یہاں پہلی بار دیکھ کر بولی تھیں۔ ”عفت رحمان“ کہاں گئی؟

”کیا آپ سے پہلے سرفراز، عفت رحمان پر یہ کرم خاص کیا کرتا تھا؟“

”جی ہاں۔“

”شکریہ مس تسنیم فریدی! میرا خیال ہے کہ آپ نے

تمام سوالوں کے جوابات صحیح دیئے ہیں، آپ جاسکتی ہیں۔“

تسنیم بغیر کچھ کہنے سے اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے جاتے

ہی میجر لا شعوری طور پر اپنی انگلیوں سے میز بجانے لگا اور

بے خیالی میں منہ سے سیٹی بجانے لگا اور اس طرح وہ دیر تک

اس کیس پر سوچتا رہا۔

سب سے پہلے نشی واپس آئی اس نے اپنی رپورٹ اس

طرح پیش کی۔ ”آج سے پورے ڈھائی سال پہلے مسز گریس

والٹن کو پورے اعزاز کے ساتھ اس قبرستان میں دفن کر دیا

گیا تھا۔“ یہ سن کر وہ زور زور سے سیٹی بجانے لگا۔ اس کو سیٹی

بجانا دیکھ کر نشی بولی کہ۔ ”ایسا لگتا ہے کہ آپ اس کیس کو

حل کر چکے ہیں تب ہی آپ حسب عادت سیٹی بجا رہے

ہیں۔“

تھوڑی دیر بعد شوہی ہاؤس کو لے کر واپس آئی اس نے

بتایا۔ ”پہاڑی چٹانوں کے اندرونی غار میں کوئی نہیں ملا لیکن

کپڑوں میں ملبوس بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔ میجر نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا اور اپنے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بیٹھنے کے چند لمحوں بعد میجر نے مسکرا کر پوچھا۔

”مس تسنیم! میں آپ سے صرف تین معمولی قسم کے

سوال کروں گا آپ ان کا ٹھیک ٹھیک جواب دینے کے بعد جا

سکتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ اس فوٹو کو دیکھئے اور بتائیے کہ

یہ کس کا فوٹو ہے؟“ میجر نے اپنے بیگ میں سے مسز گریس

والٹن کا فوٹو نکال کر اسے دکھاتے ہوئے پوچھا۔

”یہ مسز گریس والٹن ہیں جن کو ان کے شوہر نے زہر

دے کر مار دیا تھا۔“ تسنیم فریدی نے بتایا۔

”کیا مسٹر والٹن نے سچ سچ اپنی بیوی کو زہر دے کر ہلاک

کیا تھا؟ آپ کے خاندانی محافظ اور ڈرائیور انجم زیدی کا

بیان تھا کہ تھوڑے دن پیشتر اس نے مسز گریس والٹن کو

اس وقت دیکھا جب وہ کار میں آپ کو لے کر جا رہا تھا۔ کیا

آپ نے بھی انہیں دیکھا تھا؟“

”آپ نے میری بات کہاں پوری ہونے دی۔ میں نے

جس وقت مسز گریس کو اتفاقہ دیکھا تو میری نظریں ان پر جم

کر رہ گئیں مجھے اور انجم زیدی کو بہت تعجب ہوا تھا میں کار

رکوا کر ان سے ملنا چاہتی تھی اس سے پہلے کہ میں کار کو

پارک کرانے کے بعد ان کے پاس جاتی وہ لوگوں کے ہجوم

میں کہیں گم ہو گئیں۔ وہ مجھے دیکھ چکی تھیں۔ ان کے ریشمی

بال اسی طرح گلہستے کی مانند بندھے ہوئے تھے لیکن اس

دن وہ سفید موم جیسے کپڑے کا کوٹ پہنے ہوئے

تھیں۔“

”میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ بڑی شان و شوکت

سے رہتی ہیں، کیا آپ کا تمام خرچ آپ کے والد آپ کو

دیتے ہیں؟ مجھے امید نہیں کہ وہ آپ کو اتنا خرچ دیتے ہوں

گے؟ یہ سن کر مس تسنیم فریدی اداس ہو گئی اور بولی۔

”پہلے تو وہ تمام خرچ دیا کرتے تھے لیکن پچھلے آٹھ ماہ سے

انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ میں قرض دار ہو گئی

ہوں۔“

”آپ نے اپنی یہ مشکل ”عشرت کلب“ کے میجر مسٹر

سرفراز کے سامنے رکھی اور اس نے آپ کی مدد کرنی شروع

کر دی۔“

”جب آپ سب کچھ جان گئے ہیں تو میں آپ سے اب

کچھ بھی نہیں چھپاؤں گی۔“ مس تسنیم نے گہرا کر کہا۔

”مسٹر سرفراز آپ کو دیا سلائیوں کے پیکٹ دینے لگا

ساری چیزیں آپ کے پاس پہنچانے کی کوشش کروں گا۔  
”سرفراز روپے دیتے ہوئے ہچکچایا تو نہیں؟“  
”نہیں“



”تمہیں یاد ہے نا۔ کہاں پہنچوں گے؟“  
تھوڑی دیر پہلے آپ ہی نے تو بتایا تھا۔۔۔ ”ماؤنٹ  
ہوم“

”بالکل ٹھیک ہے میں نے تو فون اس لئے کیا تھا کہیں تم  
بھول نہ جاؤ۔“

”میں کبھی کوئی بات نہیں بھولتا سر۔“ دوسری جانب  
سے جاوید نے کہا۔

میجر نے اپنا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور اپنے ساتھیوں  
کی طرف منہ کرنے کے بعد سیٹی بجانے لگا۔

شام کے ساڑھے چھ بجے عشرت کلب کے باہر دو لڑکیاں  
ڈھیر سا راپاؤڈر اور ہاتھ میں لومڑی کی کھال کے ہینڈ بیگ لئے  
کلب میں آنے جانے والوں کی طرف آنکھیں منکا منکا کر دیکھ  
رہی تھیں۔

شام کے پونے سات بجے ایک لمبا تڑنگا، قوی ہیکل  
آدمی کینوس کا ایک خوبصورت تھیلا لئے کلب سے نکلا۔  
دونوں لڑکیاں اندھرے میں چلی گئیں۔ اس لمبے تڑنگے آدمی  
کا تھیلا کافی وزنی معلوم ہو رہا تھا۔ وہ ایک ٹیکسی کے پاس  
گیا۔ اس نے تھیلا ٹیکسی میں رکھ کر کچھ کہا۔ ٹیکسی چل  
دی۔

دونوں لڑکیاں دوڑ کر ایک ٹیکسی کے پاس پہنچی اور  
دروازہ کھول کر اندر بیٹھے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔ ”ٹیکسی کا  
تعاقب کرو“ ڈرائیور نے سمجھتے ہوئے ان کی جانب دیکھا تو  
ایک لڑکی نے ریوالور نکال کر کہا۔ ”چلو، جلدی کرو۔ اس  
ٹیکسی کا پیچھا کرو۔“ ڈرائیور سہم گیا اور چپ چاپ ٹیکسی  
اشارت کر دی، دونوں ٹیکسیاں آگے پیچھے شاہراہ اقبال پر جا  
پہنچیں۔ پہلی ٹیکسی پہاڑی چٹانوں کے قریب پہنچ کر رک  
گئی۔ دونوں لڑکیوں نے اپنی ٹیکسی اس پہلی والی ٹیکسی سے  
تھوڑی دور پیچھے ہی روک لی۔

قوی ہیکل، لمبے تڑنگے آدمی نے اپنے ٹیکسی ڈرائیور  
سے رکنے کے لئے کہا۔ ڈرائیور اس شخص سے بخولی واقف  
تھا۔ ٹیکسی سے نکلتے ہی وہ شخص پہاڑی پر چڑھ گیا اور  
اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ایک لڑکی نے اپنی ٹیکسی کو جلا  
بجھا کر سگنل دیئے۔ دور اندھیرے میں ایک ٹیکسی جلنے بجھنے  
لگی۔ قد آور شخص تھیلا لئے غار میں چلا گیا۔ اس نے غار  
کے منہ پر کھڑے ہو کر کہا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غار میں آیا تھا اور پلیٹ میں کھانا  
کھا کر چلا گیا۔ پلیٹ میں تھوڑا سا پانی تھا اور اس سے ٹین  
کے ڈبے میں بند مچھلی کی مخصوص بو آرہی تھی۔ ”میجر کی سیٹی  
کی آواز اور بھی تیز ہو گئی۔“

”اگر قتل کے اس کیس کی آخری کڑی میرے قیاس  
کے مطابق نکلی تو ہم آج ہی قاتل کو اپنی گرفت میں لے لیں  
گے۔“

روزی اور اختر بھی واپس آگئے۔ اختر نے جو رپورٹ  
پیش کی اسے سنتے ہی میجر نے سیٹی بجانا بند کر دیا۔ ”آپ موضع  
شاہ پور کیا کرنے گئے تھے؟“ شوہی نے اچانک پوچھا۔

”میں وہاں حشمت اللہ صاحب سے ملنے گیا تھا جب میں  
نے انہیں مسز گریس والٹن کا فوٹو دکھایا تو انہیں ”بیگ اپ  
کارنر کا“ مالک عروج مہدی یاد آگیا۔ میرا قیاس سچ نکلا۔  
مولانا حشمت اللہ صاحب نے بتایا کہ عروج مہدی مسز گریس  
والٹن کا بھائی تھا۔“

”عروج مہدی مسز گریس والٹن کا بھائی تھا۔ یہ کیسے ہو  
سکتا ہے؟“ شوہی بولی۔

”عروج مہدی دیکھنے میں بالکل انگریز دکھائی دیتا تھا۔  
حقیقت میں وہ انگریز تھا اس کا نام ڈیوڈ سن تھا مولانا حشمت  
اللہ نے ہی اسے اسلامی تعلیم دی تھی جس سے وہ متاثر ہو کر  
مسلم ہو گیا تھا۔ اس نے مولانا کو بتایا تھا کہ وہ ایک پرانا  
حساب چکانے کے لئے یہاں آیا ہے۔“

”وہ کس سے اپنا حساب چکانے آیا تھا؟“ روزی نے  
پوچھا۔

”ڈیوڈ سن عرف عروج مہدی نے اپنا یہ بھید نہیں بتایا تھا،  
لیکن وہ اپنا پرانا حساب نہیں چکا سکا، بلکہ کسی نے اس بے  
چارہ کا حساب ہی چکا دیا اور عروج مہدی کی جگہ اب ہمیں  
اس کے قاتل سے حساب کرنا ہو گا۔“

میجر عابدی نے اپنے ساتھیوں سے تبادلہ خیال کرنے  
کے بعد ضروری ہدایات دیں اور پھر کریڈل پر سے ریسیور اٹھا  
کر رینیشن گرل سے کہا کہ وہ ۴۵۵۳ ملا دے ایک منٹ  
کے انتظار کرنے کے بعد میجر نے کہا۔ ”ہیلو۔“ مجھے فون پر  
جاوید چاہئے۔“

میجر کو دو منٹ تک اور انتظار کرنا بڑا جب دوسری جانب  
سے کسی کی آواز آئی تو میجر نے کہا ”ہیلو!“ ”جاوید۔“

”یس سر“ دوسری طرف سے آواز آئی۔  
”کیا تم نے میری چیزیں خرید لی ہیں؟“

”یس سر“ میں اندھیرا ہوتے ہی ساڑھے چھ بجے قریب

”ٹام۔۔۔ ٹام۔۔۔ کیٹ۔۔۔ کہاں ہو؟ اندھیرا کیوں کر رکھا ہے؟ ٹام۔۔۔ کہاں ہو؟ لو اپنی چیزیں۔“

ٹین کے خالی ڈبے کھڑکھڑائے اور غار میں ہلکی روشنی پھیلنے لگی۔ قد آور آدمی کے پیچھے ایک سایہ آکھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی وزنی شے تھی۔ اس سائے نے اپنا بازو اوپر اٹھایا اور وہ وزنی شے اس کے سر پر دے ماری۔ وہ ”اف“ کر کے سامنے کی طرف گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

غار کے اندر سے کوئی لیمپ لئے اور آ رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ اوپر آتا جا رہا تھا۔ غار میں روشنی پھلتی جا رہی تھی۔ غار کے منہ پر کھڑے سائے کے پیچھے دو اور سائے آکھڑے ہوئے۔

”اختر اس قوی ہیکل آدمی کو جلدی جلدی ریشمی رسی سے مضبوط باندھ دو۔“ پہلے سائے نے کہا، وہ میجر عابدی تھا دوسرا سایہ اختر تھا وہ جلدی جلدی رسی سے اس بے ہوش آدمی کو باندھنے لگا۔

”نش! تم شوہی اور روزی کو سنگل دو کہ وہ ادھر آجائیں۔“ تیسرا سایہ نشی تھی۔ وہ غار کے منہ سے ذرا ہٹ کر ٹارچ سے روزی اور شوہی کو سنگل دینے لگی۔

غار کے نیچے سے ایک شخص دایمیں ہاتھ میں لیمپ لئے اوپر آیا جس کے ہاتھ فولادی تھے۔ ٹین کے ڈبوں کے پاس زمیں دوز کوئی راستہ تھا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ اوپر آگیا اس کا بایاں ہاتھ گورا تھا۔ اس کا قد تقریباً ”چارفٹ آٹھ انچ تھا۔ اس کے کندھے مضبوط اور چوڑے تھے۔ اس کا بایاں گورا ہاتھ کلائی سے ایک چوڑے پٹے سے بندھا ہوا تھا۔ وہ اسٹریپ اس کے بائیں گورے ہاتھ کو پیچھے لے گیا تھا جہاں پہنچ کر اسٹریپ اس کی دم بن جاتی تھی۔ وہ اسٹریپ اس کی کمر کی پٹی کے پیچھے ایک تالے میں جڑی ہوئی تھی اور زمین پر گری ہوئی تھی۔

لیمپ کی روشنی میں بونے نے میجر کو دیکھا اور پھر اس کی نظر غار میں پڑے جاوید پر پڑی جسے اختر رسی سے باندھ رہا تھا۔

”جاوید۔ فریدی خاندان اور عشرت کلب کا وہی ٹارزن تھا جو میجر کے ہاتھوں دوبار مار کھا چکا تھا۔

بونے نے لیمپ جلدی سے زمین پر رکھ دیا اور اپنا چم دار فولادی ہاتھ اٹھا کر میجر کی طرف بجلی جیسی تیزی سے لپکا۔ وہ اپنا فولادی ہاتھ نیچے لاکر میجر پر حملہ کرنا چاہتا تھا کہ میجر نے اس کے فولادی ہاتھ کی کلائی اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لی اور دایمیں ہاتھ کا مٹکا اس کے پیٹ میں زور سے مارا۔ مٹکا کھاتے

ہی ٹام دیوار سے جا ٹکرایا اور اپنا فولادی ہاتھ پیٹ پر رکھ کر بیٹھ گیا۔ میجر نے جیب سے چاقو نکال کر اس کی اسٹریپ کاٹ دی۔ ٹام ایک بہت بڑے بٹے کی طرح غار کے منہ کی طرف دوڑا۔ اس نے ٹارزن عرف جاوید کا وزنی تھیلا اس طرح اٹھالیا جیسے وہ پھولوں کی ٹوکری ہو۔ اختر اس کا راستہ روکنے لگا تو میجر نے کہا۔

”نہیں، روکو مت، جانے دو۔“

”اس کا پیچھا کرنا ہوگا۔“ میجر نے کہا۔

ٹام۔۔۔ پہاڑی چٹانوں کے ایک جانے پہچانے راستے پر دوڑتا ہوا چلا جا رہا تھا، اس کے پیچھے میجر عابدی، اختر، روزی، شوہی اور نشی دوڑ رہے تھے۔ ایک لمبی دوڑ آراستہ ہو گئی تھی۔ میجر ہاؤنڈ کو جان بوجھ کر نہیں لایا تھا اگر اسے لایا جاتا تو اس نے کام بگاڑ دیا ہوتا۔ وہ بونے کو پکڑ لیتا اور پھر یہ بتا نہ چلتا کہ بونا کہاں جا رہا تھا۔

ایک گھنٹہ تک وہ دوڑ چلتی رہی۔ میجر اور اس کے تمام ساتھی سینے سے شرابور ہو گئے ان کی سانسیں پھول گئیں اور دھونکنی کی طرح چلنے لگیں۔ دوڑتے دوڑتے وہ شہر میں داخل ہو گئے تھے ٹام نے اپنی رفتار قدرے ست کر دی تھی۔ اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ غالباً ”وہ نہیں جانتا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔“

ٹام ڈرگ روڈ کی ایک گلی میں گھس کر ۲۸ مکان نمبر کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس نے دروازہ پر دستک دی۔ ”کھولنے میں ٹام ہوں۔“

دروازہ کھلا۔ ایک آدمی دروازے میں دکھائی دیا۔ وہ دروازہ بند کرنے ہی والا تھا کہ میجر نے دروازے کو کندھے سے دھکا دیا دروازے کے پیچھے کسی کے گرنے کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔ میجر اندر چلا گیا۔ وہ اس مکان کو اچھی طرح پہچانتا تھا اس مکان میں ندیم رہتا تھا۔ میجر نے زمین پر گرے ہوئے آدمی کو اٹھا کر اس کے جڑے پر زور سے مٹکا رسید کیا وہ دھم سے زمین پر پھر گر گیا۔ اتنے میں اختر بھی اندر آگیا۔ ٹام اپنا تھیلا رکھ کر حملے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ اختر نے آگے بڑھ کر اس کا فولادی ہاتھ پکڑا اور اسے کندھے پر چڑھا کر فرش پر دے مارا، لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا وہ فوراً ”ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شوہی نے آگے بڑھ کر اپنا سر اس کے پیٹ میں پوری طاقت سے مارا۔ وہ گیند کی مانند لڑھک کر سامنے کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ فوراً ہی اختر نے اس کا فولادی ہاتھ پکڑ کر اپنا گھٹنا اس کی ناک پر مارا۔ اس کا سر گھومنے لگا۔ شوہی نے موقع غنیمت جان کر ایک بھر پور مٹکا

## ایک اور □

آزادی سے قبل ملتان میں ایک عظیم الشان مشاعرے کا انتظام کیا گیا تھا جس میں اس وقت کے مشہور شاعر ہری چند اختر بھی شریک تھے۔ ان کی غزل سامعین کو بہت پسند آئی اور ”ایک اور“ ”ایک اور“ کی فرمائش بڑھتی گئی۔ اختر صاحب نے تنگ آکر کہا۔ ایک واقعہ من لیجئے۔

”ایک صاحب تھے افیونی۔ انہوں نے افیون کے نشے میں ملازم کو حکم دیا کہ گھوڑے پر زین کس دو۔ نو کرنے جواب دیا۔ جناب کس دی۔ انہوں نے نشے کی ترنگ میں کہا ایک اور کس دو۔ اس پر زوردار تہقہہ پڑا۔“

”اور یہ مشین کیسی ہے؟“ اختر نے پوچھا۔

”یہ چرس کا زیادہ تیز اور زود اثر پاؤڈر تیار کرتی ہے جس کی ذرا سی خوراک، چالیس خوراگوں کے برابر ہوتی ہے۔“ میجر عابدی نے بتایا اور کچھ رک کر بولا۔ ”شوہی۔ انسپکٹر مسعود کو فون کرو، وہ آکر قاتل کو اپنے ساتھ لے جائیں۔“

شوہی فون کرنے کے لئے چلی گئی۔ اتنے میں ٹام کو ہوش آگیا۔ وہ رتی سے بندھا ہونے کے باوجود میز کی سمت لڑھکنے لگا اور میز کے نیچے پڑے کانٹے کو دانتوں سے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ میجر نے آگے بڑھ کر اس کا فولادی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر زور سے کھینچا۔ فولادی ہاتھ اس کے ہاتھ پر سے اتر گیا اس کے ہاتھ کی چار انگلیاں نہیں تھیں۔ فولادی ہاتھ فولاد کا ایک پگھلا ہوا ہاتھ تھا اسے ہاتھ کے اوپر آسانی سے چڑھایا جاسکتا تھا۔ میجر کے ساتھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فولادی ہاتھ اور ٹام کے اصلی ہاتھ کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔

میجر عابدی نے انسپکٹر مسعود کو ہدایت دی تھی کہ وہ اس کی پریس کانفرس میں چند لوگوں کو ہی مدعو کرے۔ زیادہ

اس کی کپٹی پر مارا۔ ٹام بے ہوش ہو گیا۔

ادھر میجر عابدی دوسرے آدمی کو جو سیلنگ سوٹ پہنے ہوئے تھا بری طرح دھنک رہا تھا۔ اس آدمی پر اچانک حملہ ہوا تھا اس لئے وہ سنبھل نہ سکا، نشی نے بے ہوش ٹام کو مضبوط رتی سے باندھ لیا تھا۔ میجر نے اس آدمی کو سنبھلنے نہیں دیا تھا آخر کار وہ بھی بے ہوش ہو کر زمین پر آ رہا۔ میجر نے اسے ہاتھوں سے پکڑ کر گھسیٹا پھر کچھ سوچ کر وہ اسے گھسیٹا ہوا ان کمروں کے پیچھے چوتھے کے پاس لے گیا جس کے نیچے سے ایک زینہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ وہ گھسیٹ کر زمین دوز کمرے میں لے گیا۔ اختر بھی ٹام کو گھسیٹا ہوا اس کمرے میں لے آیا۔

زمین دوز کمرے میں ایک وزن تولنے والی جیسی کوئی مشین رکھی ہوئی تھی۔ ایک دیوار پر دو کھونٹیاں تھیں ایک پر مردانے کپڑے لٹک رہے تھے اور دوسری پر زنانے کپڑے لٹک رہے تھے۔ جن میں موم جاے جسے کپڑے کا سفید کوٹ بھی تھا۔

”کیا وہ پانچویں عورت یہاں رہتی ہے، وہ کہاں ہے؟“ شوہی نے پوچھا۔

”پانچویں عورت ابھی آتی ہے۔“ میجر نے کہا اور وہ اس بے ہوش آدمی کو کھینچ کر پچھلے کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے میں ایک ڈریسنگ ٹیبل تھی جس پر میک اپ کا سامان رکھا ہوا تھا۔ میجر پہلے کمرے میں آیا تو کھونٹی پر سے زنانے کپڑے اتار کر لے گیا۔

بیس منٹ بعد میجر پچھلے کمرے سے ایک عورت کو لئے ہوئے باہر آیا۔ ”پانچویں عورت۔“ نشی، روزی، اختر اور شوہی کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ ”مسز گریس والٹن“ میجر کے تمام ساتھی بھو جھکے رہ گئے۔

”یہ پانچویں عورت تو ہے مگر عورت نہیں ہے“ میجر نے کہا۔ ”یہ مسز گریس والٹن نہیں ہے۔“ میجر کے تمام ساتھیوں کو یہ سن کر اور بھی حیرت ہوئی۔

”یہ عورت نہیں ہے؟“ شوہی نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ یہ والٹن ہے۔ گریس کا شوہر اور عروج ہدی کا بہنوئی۔“

میجر کے تمام ساتھی اپنی آنکھیں جھپکنے لگے۔

”مسٹر والٹن ہی پانچویں عورت ہیں۔ یہ اپنی بیوی کا میک اپ بنا کر کبھی کبھی شہر میں نکلتے ہیں تاکہ یہ ظاہر کر سکیں کہ ان کی بیوی کا بھوت شہر میں گھوم رہا ہے اور یہ ایک گہری چال تھی۔“

لوگوں کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قتل کے اس کیس کی کہانی میجر عابدی نے ایک تعجب خیز تمہید کے ساتھ شروع کی انہوں نے کہا۔

”آدمی کا رہن سہن، تعلقات اور سوسائٹی اس کی زندگی کو ایک خاص سانچے میں ڈھالا کرتے ہیں۔ ہر آدمی ایک مخصوص ماحول میں سانس لیتا ہے۔ مجرموں کے درمیان رہنے والے لوگوں کی عادتیں ان کی اپنی عادتیں بن جاتی ہیں جس کے لئے نشہ کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے، کسی نہ کسی سے جھگڑا کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ کسی کا سر پھاڑنا یا اپنا زخمی کرنا روزانہ کا معمول بن جاتا ہے۔ اس کا ایک روپ آپ اکثر اپنے گھروں میں دیکھتے رہتے ہیں۔ کچھ مرد اور عورتیں جب تک جھگڑا نہ کر لیں ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ وہ اس جھگڑے، ان بن، فتنہ و فساد اور جھڑپ کو اپنا معمول سمجھنے لگتے ہیں۔“

اس طرح کے برتاؤ کا ایک اور بھیانک روپ ہے۔ قتل، یہ ہوس، شوق اور پیاس بن جاتا ہے یعنی قتل کرنے کی خواہش۔ ایسے آدمی کو ایک طرح کی ہوک اٹھتی ہے وہ قتل نہ کرے تو بے چینی سی محسوس کرتا ہے اور وہ ایسا محض لالچ کے لئے کرتا ہے اور اس کے لالچ کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ لالچ ایسی چیز ہے جو ہر دم بڑھتی رہتی ہے کبھی کم نہیں ہوتی دنیا کے اسی فیصد دکھ محض اسی لالچ اور ذاتی مفاد کی پیداوار ہیں۔ قسمت سے کچھ لوگ دولت مند ہو جاتے ہیں جیسے ہی ان کے پاس دولت کا انبار لگتا ہے اس کو بدھانے کی مزید ہوس بڑھنے لگتی ہے اور اس وقت وہ انسان یہ پروا نہیں کرتا کہ وہ جو دولت جمع کر رہا ہے اس میں ہزاروں انسانوں کا حصہ ہے اور جس وقت دولت بڑھتی ہے تو اسی رفتار سے خرابی اور برائیوں کی تعداد بھی بڑھتی ہے اور ایک دن وہ برائیوں کا انبار بن جاتا ہے۔ آپ ہی سوچئے اگر ندی میں پانی بڑھ جاتا ہے تو اس کی باڑھ سے سینکڑوں دیہات ڈوب جاتے ہیں، ہزاروں انسان اور جانوروں کی قیمتی جانیں چلی جاتی ہیں۔ اس طرح زیادہ دولت کی فطرت بھی یہی ہے۔ اس سے بھی تباہی، بربادی، بیماری اور خود غرضی پھیلتی ہے۔ ایک کہاوت ہے کہ طاقت جرائم کو حوصلہ بخشتی ہے۔ دولت کے متعلق بھی یہ کہاوت صحیح اترتی ہے۔ اس کے برخلاف جہاں دولت اور طاقت ایک ساتھ جمع ہو جاتی ہیں وہاں قتل کی وارداتیں رونما ہوتی ہیں اور ان ہی دونوں چیزوں نے قتل کی ان وارداتوں کو جنم دیا۔ جرم و قتل، مار پیٹ اور فتنہ و فساد کے ماحول میں پلا ہوا ایک شخص والٹن، جو یورپ میں

جرم کر کے اور گریس نام کی لڑکی کو اغوا کر کے یہاں لے آیا۔ مجرموں کے درمیان رہ کر اس نے چرس کی اسمگلنگ کی اور اس کو زیادہ نشیلا کر کے فروخت کرتے کرتے اس کا اسپیشلسٹ بن گیا۔ یہاں آکر اس نے ”گالا“ نام کا ایک کلب کھولا لیکن وہ زیادہ نہ چلا اور اسے نشیلی چیزوں کے عادی لوگ زیادہ نہیں مل پائے۔ اسے کاروبار میں زیادہ نقصان ہونے لگا۔ جس کے سبب اس کی چڑچڑاہٹ اور بھی بڑھ گئی۔ اس کے برخلاف اس کے قتل کرنے کی فطری عادت پوری نہ ہونے سے وہ ایک قسم کی بے چینی ہر دم محسوس کرنے لگا۔

اسی لئے وہ ہر دم اپنے ساتھ دو محافظ رکھتا تھا۔ جاوید عرف ٹارزن اور ٹام۔ ٹارزن اور ٹام بھی بے چینی محسوس کر رہے تھے۔ ان کی خود کی سرگرمیاں ٹھپ پڑی تھیں۔ ان کی ہوس پیاسی بھی لیکن اس درمیان والٹن اپنے ہائی پوٹنسی والے چرس کے کچھ عادی گاہک پیدا کر چکا تھا، لیکن وہ کلب کو چلانے اور مجرمانہ زندگی کے اخراجات پورے کرنے کے لئے کافی نہیں تھے۔ اسی لئے والٹن اور اس کے دونوں ساتھیوں کی زندگی اجیرن ہوتی جا رہی تھی اس بیزاری میں یورپ کے موصول شدہ پیغام نے اور بھی زیادتی کر دی جب اسے یہ اطلاع ملی کہ عادی مجرم والٹن کی تلاش کی جاری ہے جو یورپ سے قتل اور دوسرے جرم کر کے فرار ہو گیا اور گریس کا بھائی ڈیوڈ سن کراچی پہنچ چکا ہے۔ اس پریشانی میں والٹن کی ہوس پوری کرنے کے لئے جبار فریدی کا خاندان کا مفاد میدان میں آیا۔

جبار فریدی کے خاندان کے پاس دولت اسی طرح آئی جیسے ندی میں باڑھ آتی ہے۔ تباہی، بربادی اور بیماری، دولت اپنے ساتھ بہت سی برائیاں لاتی ہے جن سے بری عادتیں بڑھتی ہیں اور اسی عادت کے سبب جبار فریدی نے چار شادیاں کیں۔ گھر میں نفرت بڑھی۔ اقتدار کی جنگ تیز ہو گئی۔ حقوق کی نگہداشت ضروری سمجھی جانے لگی چنانچہ بیویاں اپنی من مانی کرنے لگیں۔ لڑکی الگ ہو گئی۔ گھر کی بزرگ شخصیت ان کی اپنی چاچی مسز رضیہ فریدی عبادت اور عمل سے جن کو تابع کرنے کی کوشش میں لگ گئیں۔ جو تھی نوجوان بیوی ادھر ادھر ماری پھرنے لگی۔

اسی حالت میں جبار فریدی نے والٹن کا کلب خریدا۔ کلب کے ساتھ والٹن کا محافظ جس کا اصل نام فرگوسن تھا۔ بھی مع اس کے حقوق کے اسے ملا۔ ٹام کو والٹن نے اپنے پاس ہی رکھا۔ دولت زیادہ ہو جانے پر انسان کے دل میں ہر



وقت ایک خوف سا رہتا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے وہ بد معاش اور غنڈے قسم کے لوگوں کو رکھتا ہے جس کے لئے وہ ایک حد تک مجبور و بے بس ہوتا ہے۔ اس لئے یہ غلط کردار لوگ اپنی تسکین کے لئے نئے سامان خود بہ خود پیدا کر لیتے ہیں اور یہیں سے اس کیس کی ابتدا ہوئی۔ والٹن نے اپنا ذاتی کلب فروخت کیا، ڈرگ روڈ والا اپنا مکان بیچ دیا اور اس ڈر سے کہ گریس کا بھائی میاں آگیا ہے اور وہ اپنی بہن سے مل کر اس کو نقصان نہ پہنچائے، اس نے اپنی بیوی گریس کو زہر دے کر مار ڈالا۔ اس کی موت نے اور دوسری اموات کی بنیاد ڈالی۔

والٹن اور گالا کلب کے گارڈ فرگوسن اور ٹام نے کلب کے فیجر سرفراز کو اپنے ساتھ ملا لیا پھر والٹن کے تیار کردہ ہائی پوٹنسی کے چرس کو بیچنے کا منصوبہ تیار کیا۔ بہ ظاہر والٹن روپوش تھا لیکن تھا اسی شرم میں۔ وہ اپنے ملک میں واپس اسی لئے نہیں جاسکتا تھا کہ وہ وہاں جا کر گرفتار ہو جاتا۔ اس لئے وہ یہاں رہنے پر مجبور تھا۔ جبار فریدی نے گالا کلب کا نام بدل کر عشرت کلب رکھ لیا۔ اس کے اندر کافی تبدیلیاں کر لیں۔ جس کی وجہ سے اس کی آمدنی بھی بڑھی۔ فیجر کے ہاتھ میں کاروبار تھا۔ وہ بھی آمدنی کو دیکھ کر لالچ میں آگیا اور والٹن کے منصوبے پر عمل کرنے لگا۔ والٹن نے شاہراہ اقبال کی پہاڑی چٹانوں کے غار میں اپنا اڈہ بنا لیا اور اپنی لیبارٹری ڈرگ روڈ کے مکان میں بنالی۔ اس مکان کو محفوظ رکھنے کے لئے اسے ”بھوتوں“ کا مکان مشہور کرنے کے لئے وہ اپنی مرحوم بیوی گریس کا میک اپ کر کے شہر میں نکل جاتا۔ تاکہ اسے جاننے والے یہ سمجھیں کہ اس کا بھوت، عجیب الخلقت ”ہونے“ کے ساتھ شہر میں گھومتا ہے۔ ٹام کو وہ ہر وقت مضبوط پٹے سے باندھ کر رکھتا تھا۔ وہ ایک طاقت ور گوریلا تھا۔ اس کے ہاتھ کی چار انگلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں جن پر والٹن نے ایک پکھدار فولادی پنجہ چڑھا رکھا تھا۔ جس سے وہ انسانوں کی کھوپڑی کی ہڈیاں تک توڑ دیتا تھا۔ ”یہ کہہ کر میجر عابدی نے ٹام کے ہاتھ پر سے اتارا ہوا پکھدار فولادی پنجہ سب کو دکھایا۔

”کیا والٹن ٹام کے ساتھ اس غار میں رہتا تھا؟“ ایک پولیس آفیسر نے پوچھا۔

”ہاں اور فرگوسن ان کو ٹین کے ڈبوں میں بند خوراک سپلائی کیا کرتا تھا۔ جس وقت ہم نے پہلی بار غار میں خالی ڈبے ”کھٹا“ چھری اور پلیٹ دیکھی تو سمجھ گئے تھے کہ یہاں رہنے والا شخص یقیناً کوئی انگریز ہے۔ اب کلب کے فیجر سرفراز کی

سنو۔

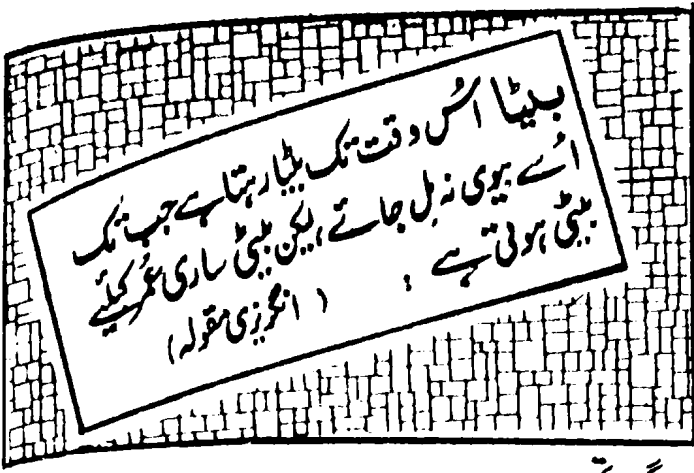
والٹن کے ہائی پوٹنسی کی چرس کو فروخت کرنے کا طریقہ یہ سوچا گیا کہ ”عشرت کلب کے دیا سلائیوں کے مخصوص پیکٹ تیار کرائے گئے۔“ یہ کہہ کر میجر نے دیا سلائی کے دو پیکٹ، جیب سے نکال کر موجودہ لوگوں کو دکھاتے ہوئے بتایا۔ ”یہ دو پیکٹ ہیں ان کی تیلیوں کے پیچھے ایک نشان اور ایک ہندسہ ہے۔ نشان تو گاکب کے نام کو ظاہر کرتا ہے اور ہندسہ خوراک کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ ان تیلیوں کے سروں پر گلابی گندھک چڑھائی گئی ہے تاکہ یہ سچ سچ کی دیا سلائی سمجھی جائے لیکن اگر گلابی گندھک کو ہٹا دیا جائے تو چرس کا پاؤڈر لگا سفید حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ یہ سرے چھوٹے اور بڑے ہیں۔ تیلیوں کے پیچھے کا ہر ہندسہ اپنی تعداد کے مطابق خوراک دلائے گا۔ یعنی چار کا ہندسہ چار خوراکیں، تین کا ہندسہ تین خوراکیں، وغیرہ وغیرہ۔“

”چرس میں ڈوبے ہوئے اتنے چھوٹے سرے؟“ ایک اخباری نامہ نگار نے کہا۔

”جی ہاں“ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ان تیلیوں کے سروں پر اتنا تیز اور نشیلا چرس ہے کہ ایک تیلی کے سرے پر لگے چرس میں کم سے کم ایک پاؤ چرس کے نشے کے برابر نشہ ہوتا ہے۔

اب اور خرابی بڑھتی ہے۔ عورت کے پاس دولت آئے تو وہ زیور، کپڑے، سجاوٹ کی چیزوں کی طرف مائل ہوتی ہے اور مرد کے پاس روپیہ پیسہ تعداد سے زیادہ آئے تو عیش پسندی کی طرف دوڑتا ہے اور یہی حال کلب کے فیجر سرفراز کا ہوا۔ ایسے اوباش قسم کے لوگوں کو ضرورت مند عورتیں مل ہی جاتی ہیں۔ سرفراز کو بھی مس عفت رحمان مل گئی۔ سرفراز، عفت رحمان کا خرچ مس شہناز کو اس کے ہاتھ سے دیا سلائی فروخت کروا کر پورا کر رہا تھا۔ عفت رحمان نے سرفراز کو شادی کے لئے مجبور کرنا شروع کر دیا وہ اس سے شادی کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا۔ وہ ذہنی طور پر پریشان رہنے لگا۔ ایک دن مجبوراً اس نے اپنی پریشانی کا تذکرہ والٹن سے کیا۔ اسی دوران ایک ایسی بات ہوئی جس نے سرفراز کی پریشانی دور کرنے کا سامان پیدا کر دیا۔

میرے دوست ارشد کا ایک قریب ترین دوست ناظم بیگم آیا۔ وہ تسنیم فریدی کا منگیترا تھا۔ ادھر ناظم کے آنے سے پہلے سرفراز، عفت رحمان کو چھوڑ کر، تسنیم فریدی کو اپنا چکا تھا کیونکہ تسنیم بہت قرض دار تھی اور اسے ہر دم پیسے کی ضرورت تھی۔ اس کے والد اپنی لڑکی تسنیم کو جو



میں گئی تھی۔

”مس صفیہ سیلز گرل ناظم سے ملنے کیوں گئی۔“ ایک پولیس آفیسر نے سوال کیا۔

”ناظم نے صفیہ کو بلایا تھا اور صفیہ، ناظم سے یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اسے کس حد تک کامیابی ہوئی اور کیا وہ اس شخص کا سراغ لگا سکا ہے یا نہیں جسے عروج مہدی مالک میک اپ کارنر تلاش کر رہا تھا۔ اس دن ناظم نے سائڈ وے موٹل میں عفت رحمان اور آصفہ کو پہلے ہی بلا رکھا تھا۔ ادھر سرفراز کو ناظم کی سرگرمیوں کا علم ہو چکا تھا اور اپنی یہ پریشانی پہلے ہی وہ والٹن کو بتا چکا تھا کہ آصفہ کسی بھی روز دھوکہ دے سکتی ہے۔ اس لئے والٹن عفت رحمان اور آصفہ کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی مسز گرلس کے میک اپ میں ان کا تعاقب کرتا رہا اور اپنے گوریلے ٹام کو عفت رحمان، آصفہ اور ناظم کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے تینوں پر حملہ کیا۔ عفت رحمان کو بجلی کے کرنٹ سے مارا تاکہ کوئی یہ نہ جان سکے کہ اس کی موت کس طرح ہوئی۔ ٹام، آصفہ کو بھی مار ڈالنا چاہتا تھا لیکن ناظم کو اس وقت ہوش آگیا۔ اس لئے اس نے آصفہ کو چھوڑ کر پہلے ناظم کو کھانے والے کانٹے سے ہلاک کر ڈالا۔ اس نے ناظم کو ہلاک کرنے کے بعد جیسے ہی آصفہ کی طرف مڑا تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ مجبوراً اس نے بے ہوش آصفہ کو وہیں چھوڑا اور عفت رحمان کی لاش اٹھا کر وہ موٹل سے نکل آیا۔ اس نے عفت کی لاش کو خندق میں پھینک دیا اور ادھر جب آصفہ کو ہوش آیا تو اپنے آپ کو وہاں پڑا پا کر اس کے ہوش اڑ گئے وہ تیزی سے اٹھی اور جلدی ہی وہاں سے بھاگ نکلی۔

”یہ قتل کے کیس کی ابتداء تھی۔“ ایک اخباری نامہ نگار نے کہا۔

”جی ہاں۔“ میجر نے کہا۔ ”اب ہم مس صفیہ اور عروج مہدی کی طرف آتے ہیں۔ آصفہ، عروج مہدی کو والٹن کا پتا لگانے میں مدد دے رہی تھی اور اسی نے ندیم کا

روپیہ خرچ کے لئے دیتے تھے وہ کم پڑتا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ انسان جو عادتیں ڈال لیتا ہے وہ ان کو پورا کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ اسی طرح تسنیم بھی اپنی بگڑی عادتوں کو پورا کرنے کے لئے مجبور تھی۔ جو وہ ڈال چکی تھی اور اسی سبب وہ ناظم سے شادی کرنے کا خیال ترک کر چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر وہ ناظم کو اپنے والد کے پاس شادی کی تاریخ لینے بھیجے تو وہ اس کو ٹھکرا دیں گے اور ہوا بھی ایسا ہی۔ اس کے پیچھے تسنیم کا ایک مفاد تھا۔

تسنیم کو یقین تھا کہ اس کی سوتیلی ماں مہ جبین اس کی شادی میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے اس لئے وہ اس فکر میں رہنے لگی کہ وہ مہ جبین کے ثنا سا لوگوں کے نام جان سکے تاکہ اسے بدنام کرنے کے بعد اپنے راستے سے ہٹا سکے اور یہ کام باپ کے دل میں نفرت پیدا کر کے آسانی سے کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے اس نے ناظم کو پھسلا دیا کہ اگر وہ کسی طرح مہ جبین کے ملاقاتیوں کے نام پتے لا سکے تو ان کی شادی کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ ناظم نے مسز مہ جبین کے دوستوں کا پتا لگانا شروع کر دیا۔ اس نے پتا لگایا کہ اس کے دو آدمیوں سے مراسم ہیں جن میں ایک بنگالی ہے دوسرا سندھی یعنی ندیم عرف انیس مرزا لیکن ناظم کو غلط فہمی تھی۔ ندیم اور انیس مرزا ایک ہی نوجوان کے دو نام تھے اور دو روپے مسز مہ جبین کے کہنے پر اس نے یہ دونوں روپے اپنائے تھے۔ مہ جبین اپنے شوہر کو یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ اس کے دو چاہنے والے ہیں تاکہ وہ یہ سن کر جلنے و کڑھنے لگے۔

”ناظم کو مسز مہ جبین کے چاہنے والے کا کیسے پتا چلا؟“ ایک پولیس آفیسر نے پوچھا۔

”مس عفت رحمان اور مس آصفہ سے کیونکہ عفت سرفراز سے ناراض تھی اور آصفہ اپنے دوست ندیم سے وہ اس لئے کہ اسے یہ پتا چل گیا تھا کہ ندیم آج کل مہ جبین کے دام الفت میں گرفتار ہے اس کے علاوہ وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ ندیم چرس کا ناجائز کاروبار کرتا ہے۔ ندیم بھی والٹن سے ملا ہوا تھا۔ مس مہ جبین نے ندیم کو ڈر۔ روڈ پر جو مکان کرایہ پر لے کر دیا تھا۔ اس مکان کے کمروں کے نیچے والٹن کی زمیں دو زیلبارٹری تھی۔

ادھر مس عفت رحمان نے ناظم کو ”عشرت کلب“ کی مخصوص دیا سلائی اور اس کے مستقل ممبران کی اطلاع دے دی۔ جس دن قتل کی ایک ساتھ دو وارداتیں ہوئیں اسی دن مس صفیہ سیلز گرل، ناظم سے ملنے نیپو سلطان ہوٹل

”اس نے اسی وقت آپ کو قاتل کا نام کیوں نہیں بتایا تھا؟“ انسپکٹر مسعود نے پوچھا۔

”آپ بھول رہے ہیں مسٹر مسعود! ندیم کا روبار میں والٹن کا شریک تھا۔ وہ والٹن سے آصفہ کی موت کے بارے میں تفصیل سے بات چیت کرنے کے بعد کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں خود اس کو اپنا راز فاش ہونے کا ڈر تھا۔ اس رات اس سلسلے میں والٹن سے اس کا جھگڑا ہوا تھا۔ عادی مجرم والٹن، ندیم کے ارادہ کو بھانپ گیا۔ اس نے اسی لمحے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ندیم کو ختم کر دے گا۔ والٹن بھی اس رات ہماری طرح شاید ندیم اور مسز مہدی کے درمیان ہونے والی گفتگو سن چکا تھا۔ مسز مہدی کے پاس ۳۸ بور کا پستول تھا۔ اس نے فرگوسن عرف ٹارزن کو فون کیا کہ وہ مسز مہدی کا پستول چرا کر ٹام کو دے دے جو بنگلے کے باہر موجود ہوگا۔ دراصل والٹن اس طرح ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ وہ ندیم کو ہلاک کر کے مسز مہدی کو اس کا قاتل ثابت کرنا چاہتا تھا۔“

دیا سلائیوں کا راز اور مسز گرہس کے فوٹو سے عروج مہدی کی مطابقت جاننے کے بعد میں سمجھ گیا تھا کہ قاتل کون ہو سکتا ہے۔ غار میں ٹین کے ڈبوں میں بند خوراک اس طرف اشارہ کر رہے تھی کہ اس کیس کے پیچھے کون ہو سکتا ہے۔ ہم نے جنرل اسٹور میں جا کر معلوم کر لیا تھا کہ ایک وقت میں اتنی خوراک کے ڈبے کون لے جاتا ہے۔ خوراک فرگوسن خرید کرتا تھا، ہم نے اپنا جال بچھایا۔ میں نے فرگوسن کو فون کیا۔ وہ خوراک کے بند ڈبے لے کر جیسے ہی کلب سے نکلا، ہم نے اس کا تعاقب کیا اور اس طرح ہم قاتل تک پہنچ گئے۔

”میجر صاحب! اس طرح کے پیچیدہ کیس کو آپ کے علاوہ اور کوئی حل نہیں کر سکتا تھا۔“ ایک اخباری نامہ نگار نے کہا۔

اخباری نامہ نگار اور دیگر اہم شخصیتوں کے درمیان میجر عابدی نے اپنا سگار جلایا اور لمبے لمبے کش لگانے لگا اور سب لوگ میجر کی تعریف کرتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔

سراغ لگا کر دیا تھا۔ ادھر والٹن کو بھی پتا چل گیا تھا کہ اس کا سالا ڈیوڈسن عرف عروج مہدی، سیلگام پہنچ گیا ہے۔ آصفہ ندیم کے فردوس بلڈنگ والے فلیٹ میں پہنچی تو اسے ندیم کی جگہ گوریلا ٹام ملا۔ جس نے اسے بھی ختم کر دیا۔ آصفہ کی سرگرمیوں کی وجہ سے والٹن ”میک اپ کارنر“ تک آسانی سے پہنچ گیا تھا اور پہچان گیا تھا کہ وہ اصل میں کون ہے۔ والٹن نے ندیم کو جو کہ بنگالی نوجوان کے میک اپ میں تھا، عروج مہدی کی تنگدستی پر مقرر کر رکھا تھا اور اسے ایک ٹرانسپیر بھی دے رکھا تھا۔ آصفہ کی موت سے گھبرا کر وہ مولانا حشمت اللہ صاحب سے ملنے کے لئے شاہ پور جا رہا تھا تو ندیم نے ٹرانسپیر پر عروج مہدی کے جانے کی اطلاع والٹن کو دے دی۔ حقیقت میں عروج مہدی کو بھی یقین ہو چکا تھا کہ والٹن کو جس سے وہ اپنا بدلہ لینے کے لئے یہاں آیا تھا اس کی سیلگام میں موجودگی کا علم ہو چکا ہے۔ دراصل وہ شاہ پور اس لئے جا رہا تھا کہ وہ مولانا حشمت اللہ صاحب سے یہ معلوم کر سکے کہ کیس انہوں نے اس کے راز پر سے پردہ تو نہ اٹھا دیا جس کی وجہ سے والٹن کو پتا لگ گیا ہو۔ اطلاع ملے ہی والٹن اپنی بیوی مسز گرہس کے میک اپ میں مع گوریلا ٹام کے راستے میں موجود تھا۔ اس نے بہانے سے عروج مہدی کی کار کو روک دیا اور ٹام نے اپنے فولادی پنچے سے اس کا کام تمام کر دیا۔“

”کیا والٹن کو اپنی حقیقی بہن کے میک اپ میں دیکھ کر عروج مہدی کو شک نہیں ہوا تھا؟“ انسپکٹر مسعود نے پوچھا۔

”والٹن نے ماسک پہن رکھا تھا۔“ میجر نے بتایا۔

”آصفہ کو کس لئے ہلاک کیا؟“ ایک پولیس آفیسر نے پوچھا۔

”مس آصفہ پہلے ہی سے قتل کئے جانے والوں کی فہرست میں شامل تھی۔ اس دن اتفاقاً بیچ نکلنے کی وجہ سے والٹن اور ٹام کو دو تین دن تک یہ سراغ نہ مل سکا کہ وہ کہاں ہے لیکن جیسے ہی اس کا پتا چلا تو فوراً ہی اس کو بھی ختم کر دیا گیا کیونکہ جب وہ ایک پار دھوکہ دے کر فرار ہو سکتی تھی تو دوبارہ بھی فرار ہو سکتی تھی۔ اس دن ہم ندیم عرف انیس مزار کے تعاقب میں تھے۔ میں جب تعاقب کرتے کرتے اس مکان میں پہنچا تو وہ مرچکی تھی۔ ندیم بھی آصفہ کی لاش کو دیکھ کر حیران تھا لیکن وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا قاتل کون ہو سکتا ہے۔ اس نے غلطی کی کہ اس وقت قاتل کا نام نہیں بتایا بلکہ اس نے قاتل کا نام اور عشرت کلب کی مخصوص دیا سلائیوں کے بارے میں مجھے دوسرے روز صبح کو یقیناً بتانے کا وعدہ کیا۔“

